اذکارِ آزاد
سید عباس حامی
شیخ محمد قمر الدین پبلشر گجر گلی موچی دروازہ لا

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (الانعام-۱۸)

اذکارِ آزاد

جلد اول

از
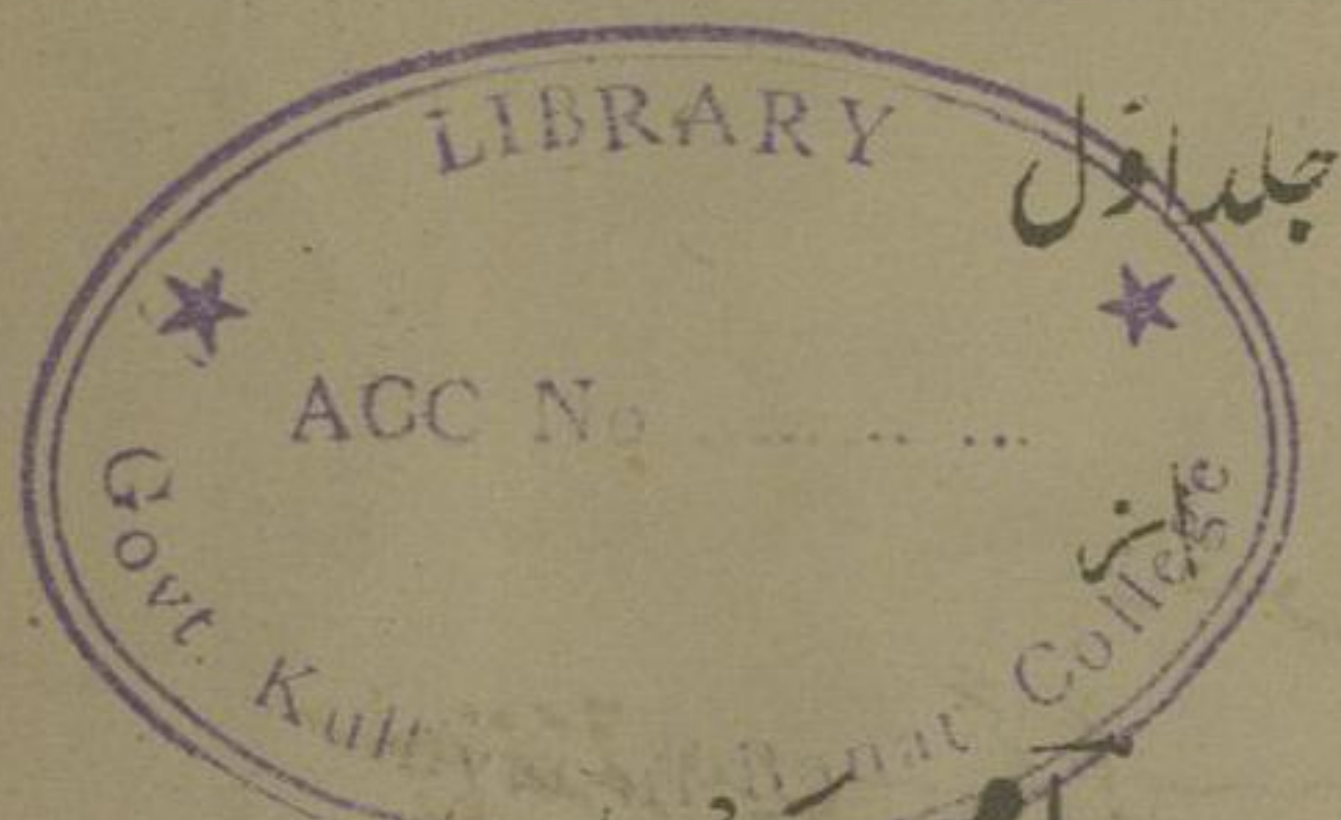
سیّد عبّاس حامی مدراسی

ناشر

شیخ محمد قمر الدین تاجر کتب گوجر گلی موچی گیٹ لاہور

ناشر

شیخ محمد قمر الدین — گجر گلی — موچی دروازہ — لاہور

قیمت ——————— ۸ /

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام شیخ محمد قمر الدین پرنٹر پبلشر چھپکر گوجر گلی
موچی دروازہ لاہور سے شائع ہوا

فہرس

انتساب

اس مجموعہ کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا
سیّد اسماعیل صاحب سلفی مدراسی بانی جامعہ
محمدیہ عربیہ رائے درگ ضلع بلہاری صوبہ
مدراس کے اس جذبۂ محبت سے معنون کرتا ہوں
جو انہیں حضرت مولانا آزاد صاحب کے
اسلامی فکر و عمل سے ہے ؛

سیّد عباس حامی مدراسی | دار الحدیث گوجرانوالہ
پنجاب
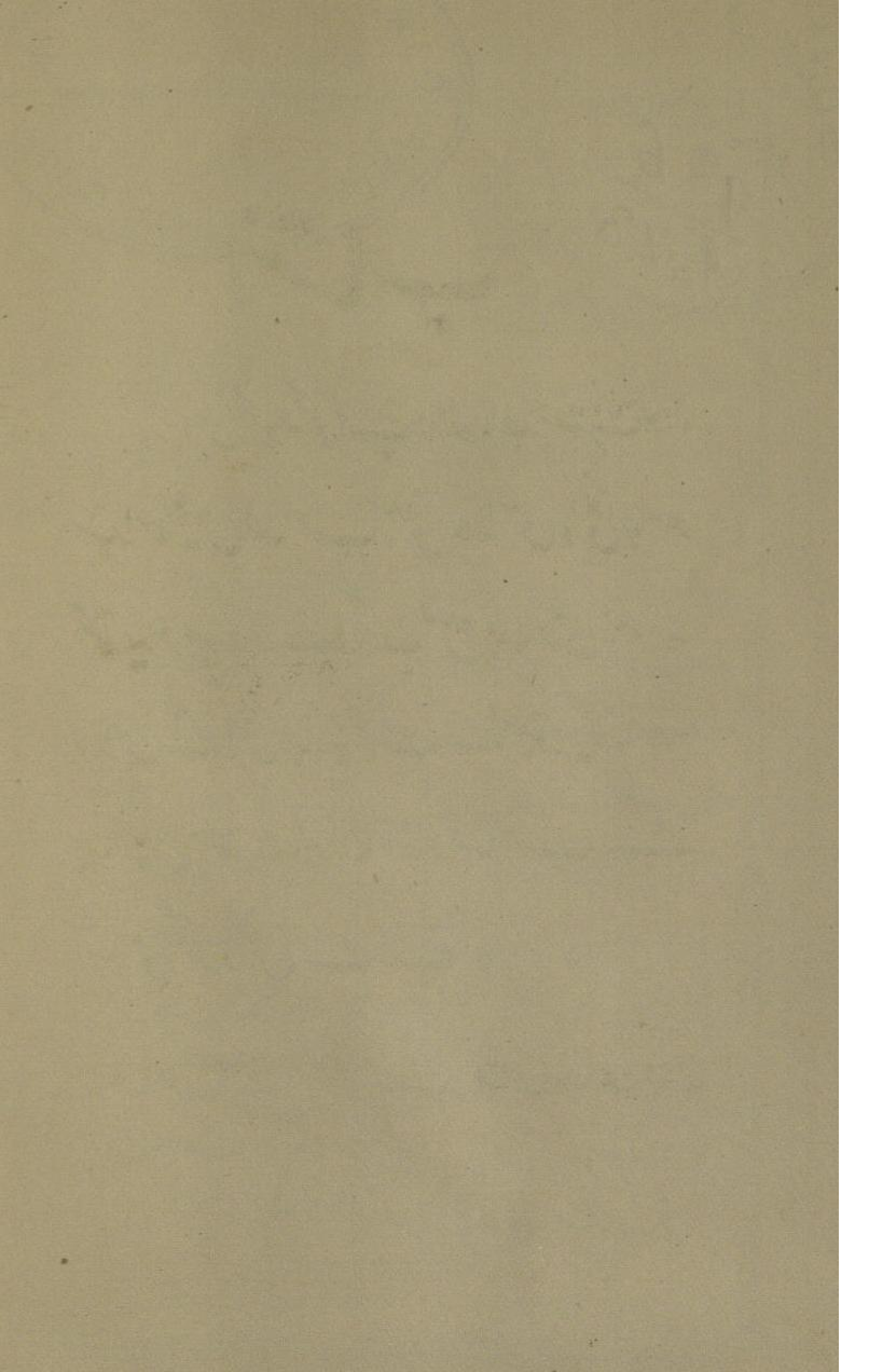
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت اتنی مشہور و معروف ہے کہ ان کے کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ صرف چند لفظ بطور پیش لفظ کہے جاتے ہیں۔
ہندوستان کی تاریخ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ایک خاص انداز پر شروع ہوتی ہے۔ علماء حق کا گروہ اپنی انقلابی جدوجہد میں ناکام ہونے کے بعد عزلت نشین اور گوشہ گیر ہو جاتا ہے۔ اور نظام باطل سے ہر قسم کا انقطاع اختیار کر لیتا ہے۔ اور مسلمانوں کی اجتماعیات پر ان لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے جو اسلام سے زیادہ مسلمانوں کے قومی مفاد کے دلدادہ تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ مسلمان قوم کو بحیثیت محکوم رہتے ہوئے کس طرح مادی منافع اور دنیوی فوائد حاصل کرنا چاہیئے۔ اب مسلمان لیڈروں کی ساری پالیسی یہ بنتی ہے۔ کہ ؎

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور سب سے پہلے حاکموں کا قائم کردہ نظام تعلیم ان کی نگاہوں میں ضروری قرار پاتا ہے۔ تاکہ عہدے اور ملازمتیں اور حکومت وقت کے اعلیٰ مناصب

حاصل کئے جائیں۔ یا پھر وہ نظامِ تنظیم ان کو اپنی قوم کے لئے مفید نظر آتا ہے جو مغربی فکر کی بنیاد پر ان کے آقاؤں نے اُنہیں سمجھایا۔ اور پورے ملک میں اسی طرز پر "تعلیم تعلیم" یا "تنظیم تنظیم" کا شور برپا کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ والوں نے بھی اس دور میں جو کچھ اور جیسا کچھ نظام دینی سنبھالا جا سکتا تھا سنبھالا اور دعوت سرّی انفرادی طور پہ باقی رکھی لیکن پوری فضا تعلیم مغربی کے دل دادوں کے نغموں سے معمور ہو چکی تھی۔ ایسے وقت اور ایسے ماحول میں مولانا آزاد نمودار ہوتے ہیں۔ اور تقریروں اور تحریروں میں بہت جلد آغاز شباب ہی میں شہرت عام حاصل کر لیتے ہیں۔ اور "الہلال" و "البلاغ" کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں کو صدائے عام دیتے ہیں کہ تمہاری نشاۃ ثانیہ خالص اسلامی تحریک سے وابستہ ہے۔ اور یہ صدائے حق بڑے بڑے وقت کے اہل علم وفضل، اصحاب ارشاد تک کو متاثر کر لیتی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن[1] دیوبندی اور حضرت مولانا قیام الدین۔ عبدالباری فرنگی محلی رحمہم اللہ جیسی عظیم المرتبت مرکزی شخصیتیں اعتراف کرنے

---

[1] حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک خفیہ اور رازدارانہ تھی۔ جو آغاز سے لے کر اختتام تک عبرتوں اور بصیرتوں کا مجموعہ ہے۔ جس کی تفصیل اب نہیں لائی جا سکتی۔ اس تحریک کے علاوہ ہندوستان میں "جمود عام" طاری تھا +

لگتی ہیں۔ اور حضرت شیخ الہند نے برملا فرمادیا:۔

"ہم سب اپنا اصلی کام بھولے ہوئے تھے۔ "الہلال" نے یاد دلا دیا"

اسی طرح اس وقت کے ذہین اور حساس طبقہ کو بھی مولانا آزاد کی دعوتِ دینی نے متاثر کر دیا۔ اور مولانا محمدؐ علی جوہر اور ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی اس دعوتِ دینی میں ہم نوائی شروع کی۔ اور اول الذکر نے "ہمدرد" اور "کامریڈ" کے کالموں میں اور آخرالذکر نے اپنی ملی نظموں میں احیائے دین کی زمزمہ سنجی شروع کی۔ اور پوری فضائے ہند ان تین شخصیتوں کی وجہ سے ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی۔ اس کے بعد ملک میں اجتماعی فکر و عمل کا آغاز ہوا۔ اور دعوتِ الہلال کی صدائے بازگشت نے قرآن و سنت کی طرف لوگوں کو متوجہ کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وقتی اور ہنگامی مسائل کی دلچسپیوں نے اس دعوت کو پنپنے نہ دیا اور صاحب الہلال کے پورے کام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین اجزائے ترکیبی تھے

پہلا اور غالب جز اسلام تھا جس کی وجہ سے تحریروں اور تقریروں میں اسلام کا تصور اجتماع اس کا نظریہ سیاسی "خلافت الٰہیہ" بار بار نمایاں ہوتا رہا اور اس سلسلہ میں "تشکیل ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ" کی طرف برابر توجہ مبذول ہوتی رہی۔ دوسرا جز مسلم قومیت اور اس کے مادی منافع و مصالح تھے۔ جن کو

صریح طور پر بعض مواقع میں اسلام خالص سے تصادم تھا۔ اور تیسرا جزو ہندوستان کی وہ وطنی قومیت کی تحریک تھی جو مغربی تعلیم و تنظیم کی بنا پر اٹھائی جا رہی تھی۔ جس کا مظہر اتم "سوراج" کا مطالبہ تھا جس کو پہلے جزو کے ساتھ کوئی مناسبت نہ تھی۔ ان متضاد، انمل اور بے جوڑ اجزا کے باعث کوئی متحد نظام فکر و عمل نہ بن سکا۔ اور بالآخر اس دور کے دو بہترین رہنما حسرت و افسوس کے ساتھ چل بسے۔ اور تیسرے رہنما کو مایوسیوں نے خاموش کر دیا۔ اسلامی اجتماعی کاموں کے لئے نہ اس شخص کی زبان کام کر رہی ہے اور نہ قلم۔ ممکن ہے کہ انفرادی طور پر دل کی تمنا وہی ہو۔ بہرحال اسلامی ہند کی نشأۃ ثانیہ کے سب سے بڑے لیڈر اور دعوت احیاء اسلام کے سب سے بڑے داعی کے افادات کا وہ قلمی ذخیرہ جو بطون اوراق میں محفوظ ہے، پڑھا جا سکتا ہے۔ اور اس سے بہت کچھ عبرت و بصیرت حاصل کی جا سکتی ہے۔

الہلال اور البلاغ کے پرانے فائل نایاب و ناپید تھے کسی قیمت پر بھی ان کا دستیاب ہونا مشکل تھا۔ مختلف اہل مطابع نے اپنی اپنی حسب دل پسند افادات آزاد کے مجموعے شائع کئے ہیں۔ جن میں وہ تینوں اجزا باہم خلط ملط ہیں۔

مولوی سید عباس حامی رائے درگ ضلع بلہاری صوبۂ مدراس نے

الہلال والبلاغ کا مطالعہ میری توجہ ولانے پر شروع کیا اور خالص اسلامی مضامین کی یادداشت تیار کی۔ اور اب جبکہ ہر شخص نے مولانا آزاد کے لٹریچر کو پیش کرنا شروع کیا۔ عزیز موصوف بھی اپنا منتخب مجموعہ بنام "اذکار آزاد" پیش کر رہے ہیں۔ اس میں جو کچھ ترتیب کی خامیاں ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں دور کر دی جائیں گی۔

مولانا آزاد کے معتقدوں سے گذارش ہے کہ وہ ان حقائق کا مطالعہ کریں۔ اور سوچیں کہ ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اور مولانا کو پھر اپنے اصلی کام پہ لانے کی سعی کریں۔ کہ جس طرح انہوں نے اس دعوت کو شروع کیا تھا پھر ایک مرتبہ اس کو پیش کر کے دیکھیں۔ اور دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے وہ کام کر جائیں جو ان کی شخصیت کے شایان شان ہو کہ

"اَلْعِبْرَۃُ بِاَلْخَوَاتِیْمِ"

اور وقتی، ہنگامی، وطنی، قومی کاموں سے بالاتر ہو کر اپنی زندگی کے آخری ایام دعوت وارشاد میں گذاریں۔

احقر العباد

۱۷ رجب ۱۳۶۵ھ — سید صبغۃ اللہ بختیاری
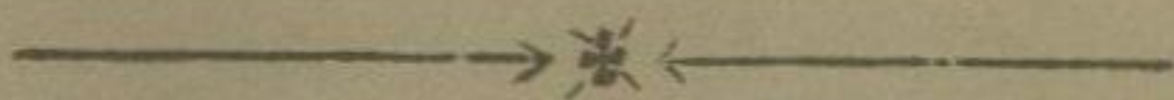
سابق استاد تفسیر جامعہ دار السلام عمر آباد۔ (مدراس)
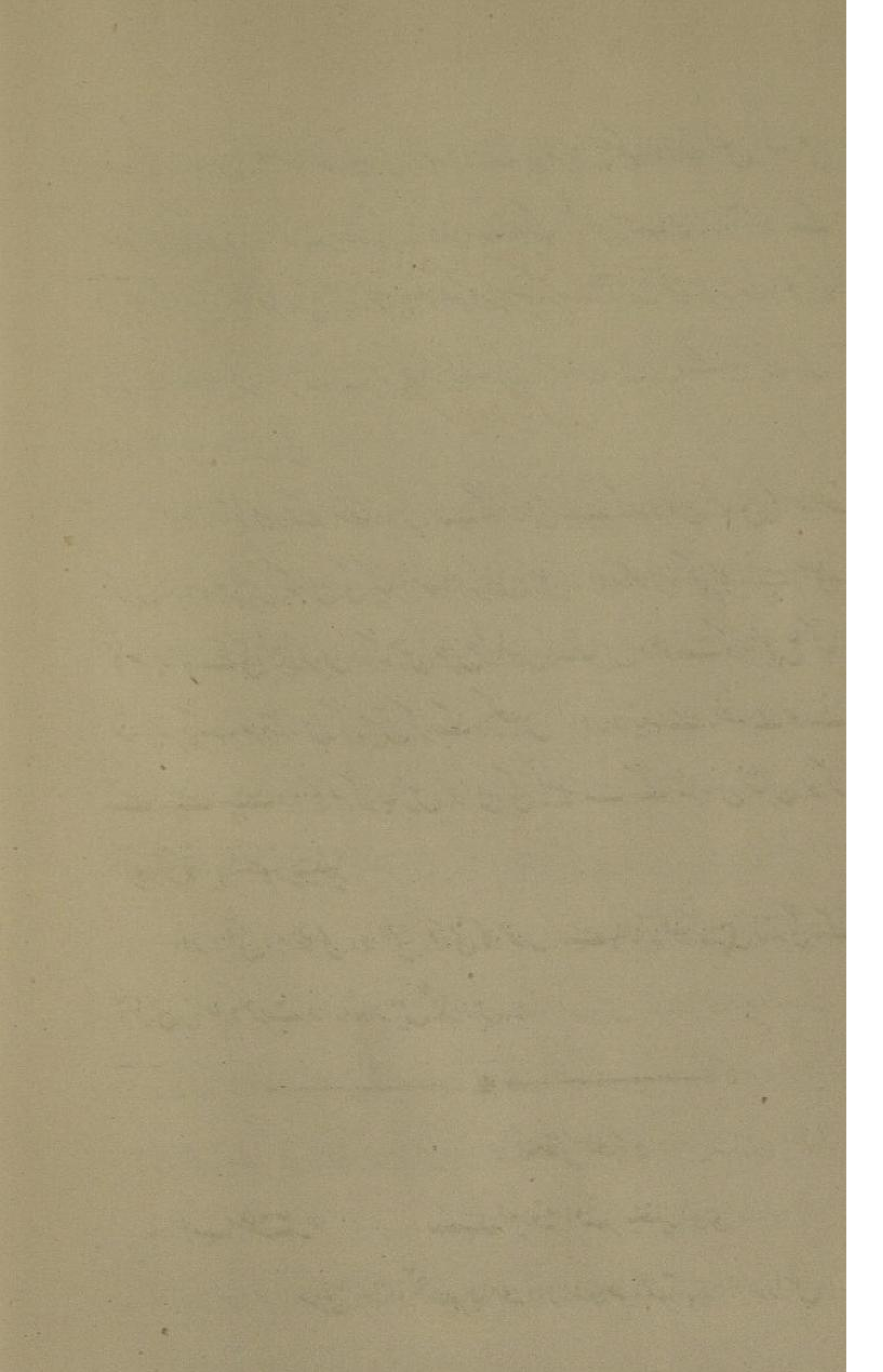
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

خالق کائنات نے جس طرح مادی اسباب فراہم کئے ہیں اسی طرح انسانی دلوں کی تاریکیوں کو دور کرنے اور انسان کو اس کی پیدائش کے "مقصدِ حقیقی" کے پورا کرنے کے لئے روحانی اسباب بھی فراہم فرما دیئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ہر تاریک سے تاریک دور میں بھی نورِ ہدایت کی شمع روشن کرتا چلا آرہا ہے۔

سلسلہ رسل کے اختتام کے بعد اس دنیا کی ظلمت و تاریکی دور کرنے کے لئے اسی رب العزت نے "اُمت مسلمہ" میں ایسے علماء پیدا کئے جن کے ذریعہ اسلام کا احیاء ہوتا رہے اور دعوت الی اللہ کا کام جاری رہے چنانچہ ایسے ہی علماء کرام ہیں جن کے متعلق بعض احادیث میں "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" وارد ہے۔

پھر علماء میں بھی کئی طبقے ضرور رونما ہوتے رہے ہیں۔ ایک ایسا طبقہ

جو حسب استطاعت اپنی قوت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں صرف کرتا رہا۔ دوسرا وہ جو اقامت دین کی پوری جد و جہد کرنا اپنا فریضہ اولے سمجھتا رہا ہے۔ اور ان کی زندگیاں اسی کارِ خیر میں گذر جایا کرتی تھیں۔ وہ اپنے دَور کی ظلمت کو ضیائے حق سے منور کر دیا کرتے تھے۔

ان لوگوں کا طریقِ کار، طرزِ تبلیغ، لب و لہجہ، انقلابی رفتار، مرض کی صحیح تشخیص اور جماعت صالحہ کا وجود میں لے آنا یہ تمام کام پوری طرح اسوۂ انبیاء پر ہوا کرتا تھا۔ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد حقیقی ہی ان کی دعوت میں بھی نمایاں ہوتا رہتا تھا۔

دنیا خواہ ساری کی ساری ان کی مخالفت کرتی مگر وہ اپنے "منصب دعوت" سے ایک انچ ہٹنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

ان کو اس بات کا یقین کامل تھا کہ "انقلاب اسلامی" انبیاء کرام کے مسلک کے سوا کسی دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں پر نہیں اُٹھ سکتا۔ وہ دنیا کی ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرانے کے عادی ہوتے تھے۔ اور "قانون الٰہی" کا نفاذ ہی اُن کا "نصب العین" ہوا کرتا تھا۔

اُمت محمدیہ نے جب کبھی اپنا رشتۂ محبت "اللہ" سے توڑ کر بندوں کے ساتھ جوڑا۔ اور "طواغیت زمانہ" کی پرستش کرنی شروع کی۔ اسی وقت اللہ تعالےٰ نے اس ٹوٹے ہوئے رشتۂ محبت کو مستحکم کرنے کے لئے "مجددین ملت

کو بھیج دیا۔ چنانچہ کوئی دور دنیا میں ایسا نہیں گذرا جس میں یہ سعی تجدید دین نہ کی گئی ہو۔ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں تنزل عالم اسلامی کا ایک عجیب دردناک منظر تھا۔

نور ہدائیت کی "شمع فروزاں" بالکل مفقود سی نظر آرہی تھی۔ کوئی نہ تھا۔ جو اُمت مرحومہ کے جسم ہی میں رُوح تازہ پھونکنے کے لیے آمادہ ہو جاتا۔ اللہ کے بندے اس سے مایوس ہو کر دنیا کی چوکھٹوں پر جبہ سائی کرنے لگے تھے۔ ملت اسلامیہ ساری کی ساری اپنے مقصد حیات کو فراموش کر چکی تھی۔ علماء اُمت برملا اپنے فریضۂ مذہبی کا نام لینا ناگوار تصور کرتے تھے۔

فرنگیت زدہ نوجوان مذہب کو پوری طرح مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ مذہب کا تمسخران کا نصب العین بن چکا تھا۔

نیک سے نیک آدمی کا مقصود یہ تھا کہ کسی طرح میرا لخت جگر کسی کالج کا گریجویٹ ہو کر طاغوتی مشین کا پرزہ بن جائے

یورپ اپنے خود ساختہ قانون کو منوانے کی ساری تیاری مکمل کر چکا تھا۔ اور انسان انسان کی پرستش کرنا ایک فعل حسین تصور کرتا تھا۔

ایسا دور تھا کہ دین الٰہی کے آثار اجتماعی پوری طرح دھندلے ہو چکے تھے کہ رحمت ایزدی کو غیرت آئی۔ اور پھر ایک بار اُس نے رحم کا قصد کیا۔ اور پھر ایک مرتبہ جیسے کہ اس کی عادت ہے یہ سعی کی کہ اس کے بچھڑے ہوئے

بندے پھر اس سے ہل جائیں تاکہ وہ راہِ مستقیم پر چل سکیں۔

چنانچہ یہ بھی توفیق خداوندی کا ایک کرشمہ تھا کہ ہندوستان میں الہلال والبلاغ کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزاد نے احیاءِ اسلام اور احیاءِ عمل کتاب وسنت اور تجدید رشد وہدائت کی دعوت شروع فرمائی۔

جس دعوتِ حق کو انہوں نے اُٹھایا تھا وہ وہی انبیاء کرام کی دعوت تھی ان کا طریق کار اور طرزِ عمل اور طرزِ تبلیغ انبیاء کرام کی دعوت کے ساتھ مشابہت اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسرے طریق کار کو استعمال کرنا صحیح تصور نہ کرتے تھے۔

"ان کے عقیدے میں ہر وہ پالیٹکس جو اسلامی تعلیم سے ماخوذ نہ ہو کفر تھا"

انہوں نے یہ بھی اعلان کر دیا تھا کہ اسلام ایک قانون حیات ہے جو انسان کی فطرت کا ترجمان ہے۔ دوسروں کے قانون کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم نے سب کچھ مذہب سے سیکھا ہے۔

"ہم نے پولیٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں مذہب سے کیونکر الگ کریں؟"

"ہمارے عقیدے میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا

اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو ایک "کفر صریح" ہے

اور انہوں نے جو پاک اور منزہ دعوت اسلامی اصولوں اور پیغمبروں کے اسوۂ حسنہ پر اٹھائی۔ خود ہی اس پر رقم طراز ہیں۔ کہ:۔

"عالم اسلامی کے ماضی قریب میں اصلاح دینی و انتباہ وابعاث علماء امت اور احیاء و تجدید امت کی جو دعوت ان تمام پچھلی دعوتوں کے طریقوں اور اسلوبوں سے بالکل مختلف اسلوب پر بلند ہوئی ہے وہ دعوت الہلال ہے"۔

اور تفریق دین و سیاست پر یہ کلمات بھی کہے گئے تھے:۔

"اسلام کے نظم شریعت میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے اسلام نے شریعت الٰہی کو نوع انسانی کی تمام سعادت و ہدایت کا کفیل و سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کی سیاسی، علمی، اخلاقی، قومی، مدنی زندگی صرف ایک ہی حقیقت جامعہ پر ہے یعنی شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت پر"۔

وہ اپنی پاک دعوت کے مقصد اصلی کا اس طرح تعارف کراتے ہیں:۔

"وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں خواہ تمدنی، سیاسی ہوں خواہ اور کچھ

وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے"۔

کسی اور "جماعت" یا کسی اور "تعلیم" کو اپنا راہنما بنانے والے مسلمان کے متعلق وہ صاف کہتے ہیں کہ:۔

"جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لئے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہنما بنائے وہ مسلم نہیں۔ بلکہ شرک فی الصفات کی طرح وہ شرک فی صفات القرآن کا مجرم ہے۔ اور اس لئے مشرک ہے"۔

اسلامی قانون کی جامعیت کے متعلق اپنا پاکیزہ عقیدہ انہوں نے بتایا ہے کہ اس کی مثال بہت ہی کم ملے گی۔

"ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں "وحدہٗ لاشریک" ہے۔ کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں۔ اسی طرح کا "قرآن کریم" اپنی جامعیت اور کمال تعلیم میں "وحدہٗ لاشریک" ہے۔ اور بالکل اسی طرح اس کا لانے والا رسول کمال انسانیت و تعبد اور قوائے نبوت و اصلاح میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے، ان کی صفات و خصائص میں کوئی اس کا شریک نہیں"۔

مسلمانوں کو ان کے گذشتہ جاہ و جلال واپس لانے کے لئے

اور مقصدِ زندگی پانے کے لئے ایک ایسی راہ بتائی جس کو قرآن "صراطِ مستقیم" سے تعبیر کرتا ہے۔

"پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر، ہندو یا عیسائی بن کر نہیں۔ آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟

پھر یہ بھی فرض کیجئے کہ کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑی۔ جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے۔ البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں۔ کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ نمازیں توڑ دیں گے؟"

انہوں نے قرآن کریم کی جامعیت کا اس طرح نقشہ کھینچا اور اس کی محدودیت کا تصور مٹانے کی خاطر یہ الفاظ کہے:-

"قرآن کریم صرف نماز اور روزہ کے فرائض بتانے کے لئے نازل نہیں ہوا۔ بلکہ وہ انسانوں کے لئے مکمل قانونِ حیات ہے جس سے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ باہر نہیں۔ پس [illegible]

نہ ہوگا۔ اُن کے لئے کبھی موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا"۔

انہوں نے اسلام کے دین کامل ہونے کا اور ہر عہد میں راہ مستقیم دکھلانے والا قانون بنانے کی ان الفاظ میں سعی کی :۔

"اسلام اگر دین کامل ہے تو ضرور ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کی تمام انفرادی، اجتماعی اور مدنی ضروریات کے لئے کامل و اتم تعلیم دے دی ہو۔ اگر وہ دین آخری ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اور شارع کی عملی سنت پر ہر عہد، ہر زمانے، ہر حالت اور ہر شکل کے لئے رہنما و کفیل ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ حقیقت ایسی ہی ہے۔ اسلام نے ہمارے لئے تمام اجتماعی اور قومی برکات کا سامان کر دیا ہے"۔

انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وقتی اور ہنگامی تحریکات اور محرکات تمہارے لئے قطعاً سود مند نہیں۔ اس لئے تم اپنے اصلی کام کی طرف رجوع کرو۔ اور اس اصلی کام کا اس طرح نقشہ کھینچا :۔

"پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے صرف یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیئے اور قوم و فرد دونوں اعتبار دل سے ٹھیک ٹھیک اسلامی زندگی اختیار

کر لینی چاہیئے۔"

مولانا آزاد نے اس قدر پاک اور بیّن دعوت اسلامی دنیا کے سامنے پیش کی اور دنیا کے اس فتنہ و فساد کا حل اسلامی قانون کے نفاذ کے اندر اور مسئلہ قیام جماعت میں بتلایا۔ باوجود اس قدر بیّن شئے ہونے کے لوگوں نے آپ کی دعوت کو پوری طرح نہ سمجھا۔ لوگوں نے آپ کو بس ایک ارسطوئے زماں کی طرح نکتہ سنج اور یا اس سے بڑھ کر شکسپیئر یا اور کسی مغربی خطیب کی طرح سمجھ لیا۔ کسی نے یہ نہ سمجھا کہ مولانا کا مدّعا کیا ہے۔ بلکہ تمام الفاظ کی بندشوں اور تراکیب کی سلاستوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔ کوئی خطابت کے سحر سے مسحور ہو گیا کوئی تحریر کی روانی میں بہہ نکلا۔ بہر کیف مولانا کو کسی نے کچھ سمجھا اور کسی نے کچھ سمجھا۔ اور اس داعیِ حق کو بالکل سطحی نظر سے دیکھا ؎

کم نظر بیتابیِ عالم نہ دید
آشکارم دید و پنہانم نہ دید

اور اس دعوت حق کو اجنبیت کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور اس کی مخالفتیں شروع ہو گئیں۔ اور مولانا کو اس قدر مایوس کر دیا گیا کہ یہ داعی حق بھی اپنا قدم دوسری طرف پھیرنے پر مجبور سا ہو گیا۔ اب بھی بعض لوگ جو فریضہ اقامت دین کے آداب سے بالکل بے خبر ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا کا مسلک اب بھی وہی ہے۔ اور موجودہ طریق کار اسی نصب العین کے احیاء کے لئے اختیار کیا گیا

ہے حالانکہ مولانا آزاد کا موجودہ "اجتماعی مسلک" اپنے طریق کار کے لحاظ سے خالص وطنی بنیادوں پر ہے۔ اور جمہوری دستوری ذرائع سے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد پر مشتمل ہے۔ اسی مغالطہ کے دور کرنے کے لئے یہ اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ کہ مولانا آزاد کی دینی دعوت اور موجودہ ہندی دعوت کا فرق اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اور بہ یک نظر دونوں کا تفاوت معلوم کیا جا سکے۔

تعارف نامہ

اس کتاب کے تین جزء ہیں۔ اور چونکہ یہ کتاب ایک ہی موضوع پر ہے یعنی "تحریک حزب اللہ اور اس کا طریق کار" لہٰذا اس میں اس کی رفتار اور قدرتی درجات تین ہی ہو سکتے ہیں:۔

مقاصد "الہلال" اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل ہے۔ اس جزء میں آپ کو مقاصد اجرائے "الہلال" کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ یہ تفکرات اسلامیہ کی ہم آہنگی اور وحدت افکار کا ایک مرقع ہے۔ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ مولانا نے جس مقصد وحید کو مد نظر رکھ کر کام کا آغاز کیا ہے وہ بھی اس جزء میں نظر آئے گا۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اس عہد کے ناصحین نے مسلمانوں کے

کن امراض باطنہ کی تشخیص کی ہے؛ اور اس کے لئے اسلامی حل کیا تجویز کیا ہے؟
یہ تمام مباحث، اسی جزء میں پنہاں ہیں +

مسئلہ تجدید اور مسئلہ جماعت:۔ جب قوم کی تشخیص ہو چکی۔ اور نسخہ بھی تجویز کیا جا چکا۔ اب تیسرا قدم عملی کام کے آغاز کا ہے۔ اس لیے اب قوم کی پستی کو دور کرنے کے لیے عملی اقدامات میں کونسا قدم مفید ہوگا؟ مولانا نے اس باب میں اپنا مخصوص طریقہ تجدید اختیار کیا ہے۔ جو انبیاء کرام کے طرزِ عمل سے جداگانہ نہیں ہے۔ اور ضرورت تجدید پر جو روشنی ڈالی ہے۔ اس کا اندازہ اس مضمون ہی سے ہو سکتا ہے۔ پھر تجدیدی کام میں قدم اولین قیام جماعت بتلایا ہے۔

اس کو بغور مطالعہ کیجیے۔ زمانہ خواہ کس قدر بھی بدل چکا ہو مگر حقائق اب بھی قابل عمل ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے لئے کوئی طریق کار نہیں ہے۔ جس وقت مولانا نے یہ ضرورت محسوس کی تھی اب بھی اس کی ضرورت باقی کی باقی ہی ہے۔ اور قیامت تک ہر ظلمت و تاریکی کو مٹانے کے لئے اسی اسوہ کی ضرورت ہوگی +

تشکیل حزب اللہ:۔ پھر اب چوتھا قدم یہی تھا کہ قیام حزب اللہ ہو جائے چنانچہ اس باب میں اس کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ وہی طریقہ کار ہے جو انبیاء کرام کے مسلک خصوصی سے اصلاح و تبلیغ کے ہر عہد میں چلا آیا ہے؟

اس طریقۂ کار میں توضیح کافی حد تک موجود ہے۔ اس طریقۂ کار کے علاوہ مسلمان اپنا نصب العین حاصل ہی نہیں کر سکتے۔

یہاں تک تو کتاب اپنے موضوع کے تحت تھی۔ اس کے بعد بطور ضمیمہ کے بقیہ مضامین لکھے گئے ہیں۔

اس کتاب کے اکثر مضامین بڑے بڑے مضامین کے مختصر اقتباسات ہیں۔ دراصل مولانا کے ایک مضمون میں ہزارہا حقائق و دقائق اور کئی مقاصد اور نکات ہوتے ہیں۔ اس لیئے اس مضمون کے اُس اہم پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جو ہمارے موضوع سے متعلق تھا۔

جناب شیخ محمد قمر الدین صاحب کے دینی احساس اور مولانا آزاد سے دیرینہ عقیدت نے اس مجموعہ اقتباسات کو شائع کرنے پر انہیں آمادہ کیا ہے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور مجھے توقع ہے کہ وہ اس کتاب کو اسی دیدہ زیبی کے ساتھ شائع فرمائیں گے جیسے کہ وہ اپنی دوسری طباعتی چیزوں کو اپنے مخصوص انداز میں دیدہ زیب بناتے ہیں۔ تاکہ کتاب پبلک کے لیئے ظاہری و باطنی محاسن میں جاذب نظر ہو۔ "اور اس کتاب کے جملہ طباعتی حقوق انہیں کے لیے محفوظ ہیں" انشاء اللہ تعالے۔ سے اُمید ہے کہ مولانا آزاد کے خالص اسلامی خیالات کا صحیح مرقع اس میں نظر آجائے گا۔ اور جو حقائق کو بحیثیت حقائق دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت کچھ سامان عبرت و بصیرت پنہاں ہے۔

ہم آخر میں مولانا آزاد کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں پھر اس "منصب دعوت" پر واپس لے آئے۔ اور دین اسلامی کے مقتضیات عصری کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کے معتقدوں کو بھی اس راہ پر منظم فرما دے۔ وَمَا هُوَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؕ

سید عباس حامی

نوٹ

شیخ قمر الدین تاجر قطعات گوجر گلی۔ موچی گیٹ۔ لاہور۔

مقاصد "الہلال"

اور

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

آپ پوچھتے ہیں کہ آج کل ہندوؤں کے دو پولیٹیکل گروہ
موجود ہیں آپ ان میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ گذارش ہے
کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں، بلکہ خدا کے ساتھ ہیں۔ اسلام اس سے
بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنی پولیٹیکل
پالیسی قائم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے
مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز
سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے
آگے جھک کر اپنا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں
شامل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود دنیا کو اپنی جماعت
میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں۔
اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے
کھڑے ہوجائیں تو ساری دنیا ان کے آگے کھڑی
ہو جائے گی۔

ابوالکلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضرورتِ عازمِ امر

آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت اور وقت کے سروسامان کو نہ دیکھے۔ بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اس کی راہ تک رہا ہو۔ مشکلیں اس کی راہ میں غبار و خاکستر بن کر اُڑ جائیں۔ اور دشواریاں اس کے جولان قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں۔ وہ وقت کا مخلوق نہ ہو کہ وقت کے حکموں کی چاکری کرے۔ وہ وقت کا خالق و مالک اور زمانہ اس کی جنبش لب پر حرکت کرے۔ اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بُلا لے۔ اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتار لے۔ اس کا علم "مشکوٰۃ نبوّت" سے ماخوذ ہو، اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو، اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت رسالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجہ اقوام اور طبابت عہد و ایام کے تمام سرائر و قضایا اس طرح کھول

دے، کہ وہ صرف ایک صحیفۂ کتاب وسنت اپنے ہاتھوں لے کر دنیا کی
ساری مشکلوں کے مقابلہ اور ارواح وقلوب کی ساری بیماریوں کی شفار
کا اعلان کر دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز"

ایک منزّہ دعوت

عالم اسلامی کے ماضی قریب میں اصلاح دینی اور انتباہ وانبعاث
علمار ملت، اور احیا و تجدید اُمّت کی جو دعوت ان تمام پچھلی دعوتوں
کے طریقوں اور اسلوبوں سے بالکل مختلف اسلوب پر بلند ہوئی ہے۔
وہ دعوت الہلال ہے۔

الہلال اور دعوت احیائے اسلامی

الہلال کی حالت عام حالت سے مختلف ہے۔ وہ کوئی سیاسی
اخبار نہیں ہے۔ بلکہ ایک دینی دعوت اصلاح کی تحریک ہے جو مسلمانوں
کے اعمال میں مذہبی تبدیلی پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس کا ایڈیٹر بھی صرف
یہی ایک دینی حیثیت رکھتا ہے۔ بلاشبہ ملک کے بعض واقعات وحوادث
کے متعلق اس میں اظہار رائے کیا جاتا ہے لیکن وہ بھی محض دینی اور
اسلامی نظر سے اور انہی اصولوں کے ماتحت، جو ایک متبع قرآن کے

لئے اس کے فرائض میں داخل ہے۔

الہلال اپنے ہر خیال کو خواہ وہ کسی موضوع سے تعلق رکھتا ہو، محض اسلامی اصولوں کے ماتحت ظاہر کرتا ہے، اور کوئی آواز ایسی بلند نہیں کرتا جو اسلام کے قانون و دستور العمل یعنی قرآن کریم سے ماخوذ نہ ہو۔ اس کے عقیدے میں ہر وہ پالٹیکس جو اسلامی تعلیم سے ماخوذ نہیں کفر ہے اور اس نے اپنی وفاداری و بغاوت کا ہر رشتہ بھی مثل اپنے تمام سررشتۂ عمل کے اسلام کے مقدس اور الٰہی احکام کے سپرد کر دیا ہے۔ پس اگر وہ وفادار اور امن پسند ہے تو وہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہے۔ اس کا مسئلہ کسی پریس کا مسئلہ نہیں ہے جہاں اخبار چھپتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیم کی ایک تحریک دعوت کا سوال ہے۔

اس مادہ پرستی کے قرن میں خدا کا نام لیتے ہوئے بہت سی روحیں ہیں جو شرماتی ہیں۔ مگر میں کیا کروں کہ میری روح کو تسکین صرف اسی نام میں ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس کے عجائب کاروبار قدرت میں سے ایک کرشمہ محیر العقول یہ بھی ہے کہ وہ جب کسی تخم کی پرورش کرنا اور کسی شاخ کو درخت بلند قامت بنانا چاہتا ہے۔ تو اپنے بندوں کے ہاتھوں ہی سے اپنے دست قدرت کو بڑھاتا اور ان کے دلوں میں سے اپنی

روح محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر اقلیم قلوب میں اضطراب اور صفوف ارواح میں حرکت و اضطرار پیدا ہو جاتا ہے۔ کوئی دل نہیں ہوتا جو اس تخم کی محبت سے خالی ہو، اور کوئی روح نہیں ہوتی جو اس آسمانی درخت کی اُلفت کو اپنے اندر سے دور کر سکے۔ الہلال پریس کے قیام کے ساتھ ہی اُس عاجز نے اس قدرت الہیہ کے حقائق کا نظارہ کیا۔ اور گذشتہ ایک سال تین ماہ کے اندر شاید ہی کوئی سات دن ایسے گذرے ہوں جو اس غیبی نصرت کے نشانات و آیات سے خالی رہے ہوں۔ میں ایک بے سروسامان ارادہ، ایک تلخ ناگوار متاع، ایک بے پرواہ و مستغنی صدا لے کر آیا تھا۔ عجز و تذلل اور مداہنت و اعتراف جو جلب ہمدردی و توجہ انظار کا سب سے زیادہ مؤثر نسخہ ہے، میرے پاس نہ تھا۔ بلکہ اس کی جگہ حق پسندی کی تند مزاجی اور نہی عن المنکر کی سخت گیری نے میری متاع سخن کے ہر حسن کو عیب بنا دیا ہے ؂

الہلال کا مقصد وحید

الہلال بھی ایک دعوت ہے۔ جس کے تمام اغراض و مقاصد اور اصول و فروع کا نقطۂ وحید صرف اس دین الٰہی کی دعوت کی تجدید اور اس کے اصول بنیادی اور "الامر بالمعروف والنہی عن المنکر" کو زندہ کرنا

ہے۔ پس گو وہ ایک ذرۂ حقیر ہو لیکن پیغام بر اسی قوی و عزیز کا ہے ؂

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

دعوت الہلال کی حقیقت

آغاز اشاعت الہلال سے "دعوت" کا لفظ میری زبان پر ہے۔ اور اس کثرت سے بار بار اس لفظ کو دُہراتا ہوں کہ شاید بعض لوگ سنتے سنتے اُکتا سے گئے ہوں۔ میں نے کبھی کسی اخبار کا ذکر نہیں کیا جو اچھے سروسامان کے ساتھ نکالا گیا ہو، اور نہ میں نے کبھی تصنیف و تالیف اور انشار مقالات و رسائل کا تذکرہ کیا جس کے لئے غیر معمولی محنت و مشقت برداشت کی جاتی ہو۔ بلکہ میں نے ہمیشہ ایک "دعوت" کا اعلان کیا جو ایک مقصود خاص کو اپنے سامنے رکھتی ہے، اور ساتھ ہی چند مقاصد پیش کئے جو ہمیشہ سے انسانوں کی جماعتوں اور آبادیوں کے سامنے پیش ہوتے آئے ہیں۔ ان مقاصد میں ندرت و جدت نہ تھی مگر صداقت ضرور تھی۔ اور جس بیان میں صداقت ہو، ضرور ہے کہ وہ نئی نہ ہو کیونکہ دنیا کی سب سے زیادہ پرانی چیز صداقت ہی ہے۔ پس میں آج صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ "الہلال کی دعوت"

سے کوئی مادی یا شخصی یا موجود فی الخارج شے مراد نہیں ہے اور نہ کسی دعوت سے ایسا مقصود ہو سکتا ہے۔ نہ تو وہ میرے وجود سے تعلق رکھتی ہے، نہ الہلال نامی ایک موقت الشیوع رسالے سے، اور نہ ہی ان مضامین و منشآت سے جو اس میں شائع ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کی نسبت کہا جا سکے کہ وہ "دعوت" ہے۔ یا اسے حقیقت دعوت میں کسی طرح کا دخل حاصل ہے۔

بلکہ اس سے مقصود حقیقی صرف وہ بعض مقاصد اور تعلیمات ہیں جن کے اعلان و اظہار اور فتح و نصرت کا سامان حکمت الٰہی نے مہیا کیا۔ اور پھر من جملہ اور بہت سے اسباب و وسائل کے ایک سبب و وسیلہ الہلال کی اشاعت اور اس کی کوششوں کو بھی بنا دیا۔ وہ جو انسانی غذا کے پیدا کرنے کے لئے موسم کو بدلتا، ہواؤں کو چلاتا، پانی کو برساتا، اور دہقان کے ہاتھوں سے تخم ریزی کراتا ہے۔ جب چاہتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی جماعت کے لئے ارشاد و ہدایت کی روحانی غذا مہیا فرما دے تو بالکل اسی طرح دلوں کی اقلیم اور فکروں کی فضا میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اور خود بخود ایک قدرتی تغیر کی طرح تمام اسباب موافق فراہم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس وقت پانی بھی برستا ہے عمدہ ہوائیں بھی چلتی ہیں اور کاشت کاروں کی محنتیں بھی اپنے اپنے

وقت و ضرورت کے مطابق کام دینے لگتی ہیں پس جب کھیت سرسبز ہوتا ہے۔ تو گو بہت سے کہنے والے موجود ہوتے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ ہماری ہی سعی کا نتیجہ ہے۔ مگر دراصل اس کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا۔ کیونکہ بیج کے بارآور ہونے کے لئے جن اسباب و ذرائع کی ضرورت ہے وہ بے شمار ہیں۔ اور جب تک وہ سب جمع نہ ہو جائیں صرف ایک علت کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔

اگر پانی کہے کہ یہ میری کارفرمائی ہے تو آفتاب بھی چمک سکتا ہے کہ یہ اسی کی حرارت کا معجزہ ہے۔ اگر دہقان مدعی ہو کہ اس نے بیج ڈالا تو موسم اس کو جھٹلا سکتا ہے کہ بغیر میرے آئے ہوئے محض تخم ریزی کیا کر سکتی تھی؟ مزدوروں نے ہل جوتا، کاشتکار نے بیج ڈالا۔ نگہبانوں نے رکھوالی کی؛ اور موسم نے آب پاشی۔ ان میں سے ہر فریق دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں ہی اس لہلہاتے ہوئے کھیت کی وجود پذیری کی علت ہوں مگر وہ جوان سب سے بالاتر قوت ہے، کہتی ہے کہ تم سب ہیچ ہو اگر قدرت الٰہی تمام اسباب و وسائل مہیا نہ کرتی۔ تو نہ تو ایک بیج بارآور ہوتا اور نہ ایک سبز پتہ زمین پر نظر آتا۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	کون ہے جس نے آسمانوں اور
وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ	زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے تمہارے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا — لئے پانی برسایا، پھر اس کی آبیاری
بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ — سے کیسے کیسے حسین و شاداب باغ
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا — و چمن پیدا ہو گئے۔ حالانکہ تم انسانوں
شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ — کی قدرت سے بالکل باہر تھا کہ ان کے
بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ — درختوں کو پیدا کرتے۔ کیا اللہ کے
(۲۷ : ۶۱) — سوا اور بھی کوئی ہے؟

مقصودِ حقیقی:- اب دیکھو کہ الہلال کی دعوت کا مقصد حقیقی کیا تھا؟
اس نے روز اول ہی سے اعلان کر دیا ہے کہ احیاء و تجدید ملت کے
لئے جس قدر تحریکیں ملک میں موجود ہیں وہ ان میں سے کسی کو بھی تنزل
و انحطاط کے اصلی مرض کا کامل علاج نہیں سمجھتا۔ بلکہ ان میں سے اکثر
اس طرح کا علاج ہیں جن کے اندر خود نئی بیماریوں کے پیدا کرنے کی ہلاکت
موجود ہے۔ پس وہ ان تمام رستوں سے بالکل الگ ہو گیا جو کاروبار
اصلاح و ترقی کے پیشتر سے موجود تھے۔ اور پھر نہ تو اس نے تعلیم کو
اپنا کعبۂ مقصود بنایا، نہ سیاست کو قبلۂ آمال، نہ علم کی رہنمائی قبول کی
نہ تہذیب و تمدن سے دستگیری چاہی۔ صرف یہی ایک صدا بلند کی کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا — مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — اور اس کے رسول کے لائے ہوئے

وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ (۸ : ۲۱)

حکموں پر عمل کرو اور اس کی طرف سے گردان نہ موڑو اور تم اس کی بھیجی ہوئی آیتیں سُن رہے ہو۔

کیونکہ اس کو یقین ہو گیا۔ کہ جب تک مسلمانوں کے اعتقادات و اعمال مذہبی کی اصلاح و درستگی نہ ہو گی، اس وقت تک کوئی سعی اصلاح مفید نہیں ہو سکتی۔

پس اُس نے اپنے مقصد کو ایک ہی مختصر جملے میں بار بار دُھرایا۔ یعنی "دعوۃ الی القرآن" یا "امر بالمعروف والنہی عن المنکر" اور پھر اعمال قومی کی ہر شاخ میں اسی اصل الاصول کو پیش نظر رکھ کر دعوت شروع کی۔

تشریح مقاصد:۔ یہ تو اس کے مقصد کا اصل الاصول ہے۔ لیکن اگر اس کی تشریح و تفسیر کی جائے۔ اور اسے موجودہ حالات سے تطبیق دی جائے۔ تو حسب ذیل امور اس کے تحت میں قرار دیے جا سکتے ہیں:۔

(۱) مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں کی بنیاد تعلیم الٰہی پر رکھیں۔ نہ کہ محض کسی ترقی یافتہ قوم کی تقلید و اتباع اور نقالی پر، یا محض اخذ تحصیل تمدن و سیاست و وطنیت پر۔

(۲) اسلام کی اصلی منزلت و فضیلت یہ ہے کہ اس نے ہر طرح کی صداقتوں اور حقیقتوں کو خدا کے رشتہ سے منسلک کر دیا ہے۔ اور ہر

عمل صحیح و حق جو اس آسمان کے نیچے کیا جائے اس کے نزدیک خدا کا کام اور اس کی عبادت ہے۔ پس ہر مسلمان کو صداقت کا عاشق، حقانیت کے لئے مضطر، عدالت کا نگران اور حریت کا پرستار ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ اور مسلمان وہی ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہر طرح کے دکھ اٹھائے۔ اور اللہ کی رضا اس کی راستبازی اور حق و عدل کی معیت میں ہے۔

(۳) اور اس لئے کہ خدا نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا منصب رفیع عطا فرمایا۔ پس جو مسلم اس کی راہ میں مجاہد نہ ہو۔ وہ اس کے بخشے ہوئے لقب کا مستحق کبھی نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کے ظلم و تشدد، معاصی و ذنوب اور شیطان ضلالت و افساد کے پیدا کئے ہوئے غرور باطل سے انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اپنی تمام قوتوں سے کام لینا، اور اس راہ میں ہر طرح کا جسمانی اور قلبی دکھ اٹھانا، حتیٰ کہ سولی کے تختے اور جلاد کی تیغ کی پرسش کو بھی اس کی خاطر گوارا کر لینا۔

(۴) پس اگر ظلم ہو، اگر معصیت و فساد کی گرم بازاری ہو، اگر انسانوں کے حقوق الٰہیہ کو پامال غرور باطل کیا جائے، اگر روشنی کی جگہ تاریکی اور راستبازی کی جگہ کذب پرستی کا اعلان ہو، تو اس لئے نہیں کہ

ظلم و فساد کو انسانوں نے بُرا اور اخلاق عامہ نے قابل نفرت بتلایا ہے
پس تم بھی بُرا سمجھو۔ بلکہ اس لئے کہ تم مسلمان ہو۔ اور مسلمان دنیا میں
صرف حق کی خدمت ہی کے لئے ہے۔ اور نیز اس لئے کہ یہ سب کچھ
خدا کی مرضی کے خلاف ہے۔ اور مسلمانوں کی مرضی وہی ہونی چاہیئے۔
جو اُن کے خدا کی مرضی ہے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ

(۵) مسلم و مومن وہ ہے جو اللہ کے رشتے کو دنیا کے تمام رشتوں
پر ترجیح دے۔ پس کسی ہستی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسلام کی مدعی ہو
اور ساتھ ہی خدا کو چھوڑ کر دوسرے رشتوں کی گرویدہ ہو جائے۔ خدا کا
رشتہ اس کی سچائی اور عدالت کی محبت میں ہے۔ جو حق کو پیار کرتا ہے
وہی خدا کو بھی پیار کرنے والا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔

(۶) اسلام نے توحید کا سبق سکھلایا۔ توحید کی تکمیل کے معنی یہ ہیں
کہ انسان تمام انتہائی قوتوں اور اطاعتوں اور فرماں برداریوں کو صرف
اللہ کے لئے مخصوص کر دے۔ اور ان میں کسی کو شریک نہ کرے پس
چند انسانوں کو اپنا لیڈر بنا کر اُن کے ہر حکم کی بلاچون وچرا تعمیل کرنا، یا
گورنمنٹ اور حکام کی ہر خواہش کے آگے (اگرچہ وہ حق و عدالت اور
صداقت و حریت کے منافی ہو) سر جھکا دینا ایک ایسا شرک جلی ہے
جو توحید کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

(۷) اسلام کا عقیدۂ توحید انسانی حریت و آزادی کا سرچشمۂ حقیقی ہے۔ کیونکہ جو سر صرف خدا ہی کے آگے جھکے گا، ممکن نہیں کہ وہ انسان اور انسانوں کے غرور پادشاہت و حکومت کے آگے ذلت و عبودیت سے سربسجود ہو۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے اندر عبودیت الٰہی کی اصلی حقیقت پیدا کریں۔ اور کوئی رُوح خدا کے آگے وفادار نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ان تمام قوتوں سے یکسر باغی نہ ہو جائے، جو خدا کی صداقت اور اس کی مقدس مرضیات کے خلاف ہیں

(۸) ملک و انسانیت کی خدمت، آزادانہ حیات سیاسی و ملکی کا حصول، جدوجہد حریت اور خود مختارانہ حکومت کے حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ مساعی، یہ تمام مقاصد صالحہ اگر دوسری قوموں کو بربنائے جذبۂ قومیت و وطنیت عزیز ہیں تو ہر قائل کلمۂ توحید کو مذہباً و دیناً محبوب ہونا چاہئیں۔ پس عزت و مجد اسلامی کا مقتضیٰ یہ ہے۔ کہ ان تمام میدانوں میں مسلمان سب سے آگے ہوں، نہ کہ سب سے پیچھے اور غیروں کے مقلد و خوشہ چین۔ اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

ہاں، ایک اصل الاصول ہے جو اس دعوت کو عام ہنگامہ ہائے سیاسی و تمدنی سے الگ کرتا ہے۔ یعنی ان تمام چیزوں کو صرف اللہ

کے رشتے اور اس کی مرضیات کی متابعت کے تعلق سے حاصل کیا جائے نہ کہ محض تقلید اقوام و جماعت سے۔ اور اس لئے سب سے پہلے عمل بالاسلام کے "حبل اللہ المتین" کو پکڑو۔ تاکہ اس کے تمام نتائج حقیقیہ سے ہم کنار ہو۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

پس یہ اور اسی کے ہم معنی و ہم اصول مقاصد تھے جن کی طرف الہلال نے ابنائے ملت کو دعوت دی۔ اور اگرچہ ان میں سے کوئی چیز بھی نئی نہ تھی، تاہم غفلت و جہالت اور ابتلائے ضلالت و فساد نے اس تعلیم کے ہر لفظ کو لوگوں کے لئے ایک صدائے ناآشنا بنا دیا تھا۔ پس جیسا کہ ہمیشہ ایسا ہوا ہے، ضرور تھا کہ اس اعلان و دعوت کا آغاز بھی تعجب و انکار، تحقیر و تذلیل، غیظ و غضب اور تعاند و تنفر سے ہوتا۔ مگر خاتمہ اعتراف و اقرار، تعظیم و تشہیر، رجوع و انقیاد اور تسلیم و اطاعت پر ہوتا، اور الحمدللہ کہ ایسا ہی ہوا۔ اور جس قدر ہونا باقی ہے وہ عنقریب ہو کر رہے گا۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا، لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ۔

مَا قَالَ وَمَنْ قَالَ:- پس جب کبھی اس عاجز کی زبان سے "دعوت الہلال" کا لفظ نکلتا ہے۔ اور اس کی نصرت و فتح یابی کا دلی اذعان و وردحی ایقان کے ساتھ اعلان کرتا ہوں۔ تو اس سے مقصود

نہ تو رسالہ الہلال کا وجود ہوتا ہے اور نہ خود اپنا وجود اور اپنا کاروبار۔ بلکہ یہی صداقتیں اور حقیقتیں ہوتی ہیں۔ جن کے اعلان و دعوت کی حضرت الٰہی نے الہلال کو توفیق دی۔ اور اس عظیم الشان اور انقلابی تبدیلی کے لئے جو مسلمانان ہند میں ہونے والی ہے، من جملہ اور صدہا اسباب و بواعث کے ایک سبب الہلال کو بھی بنا دیا۔ اس بنا پر جس قدر کامیابیاں ہیں وہ اسی کے لئے ہیں۔ اور جس قدر اعلان قوت، رفع ذکر اور اعلاء کلمہ ہے وہ سب کا سب اسی کو پہنچتا ہے :-

ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ خود میرا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ رائی برابر مجھے حق پہنچتا ہے کہ اس کی کامیابی کی دعوت کو اپنی طرف نسبت دوں۔ سچائی جہاں کہیں سے نکلے گی، استقلال اور عزت کو اپنا منتظر پائے گی۔ اور حق جس زبان سے بلند ہو گا، کامیابی و نصرت اس کا قدرتی حصہ ہے جو کبھی اس سے چھن نہیں سکتا۔ یہ خدا کا محض فضل ہے کہ وہ کسی زبان کو اس کا آلہ، کسی قلم کو اس کا ذریعہ، اور کسی سعی کو اس کا وسیلہ بنا لے۔ اور پھر اس وسیلے کے خاطر نہیں بلکہ صرف اپنی سچائی کی خاطر اسے کامیابی عطا فرمائے۔ یہ اُس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ اپنی امت مرحومہ کے لئے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو

مثل اس کامل کاریگر کے جو ٹوٹے ہوئے اور ناقص اوزاروں سے ایسا عمدہ کام نکال لیتا ہے جو دوسرے کاریگر عمدہ اور قیمتی آلات سے بھی نہیں کر سکتے، جس بندے کو چاہتا ہے اپنے کام کا ایک ذریعہ بنا لیتا ہے۔ اور پھر وہ خود خواہ کیسا ہی بُرا ہو لیکن اس کا کام نیکوکاروں اور صالح انسانوں کا سا ہو جاتا ہے ؎

واین جا کار بہ فضل ست نہ باستحقاق!

نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو

کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

داعیان حق کی تین قسمیں:- البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کا فضل ذرہ نواز اپنے کسی عاجز و درماندہ بندے پر مبذول ہوتا ہے، اور وہ اس کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتا اور اس کے کلمۂ حق و عدالت کی دنیا کو تلقین کرتا ہے تو اس کا حال تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتا:-

(۱) یا تو خدا تعالےٰ اس کے نفس کا تزکیۂ کامل کر دیتا ہے۔ اور اس کے وجود کو حق کا پیکر اور نمونہ بنا دیتا ہے۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

(۲) اور یا تو یہ درجہ عالیہ اُس محروم تشنہ کام کو حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ اس کے اندر حق و صداقت کا سچا درد اور خدا پرستی

کی ایک نہ بجھنے والی پیاس ہوتی ہے' اس لئے باوجود اپنے طرح طرح کے قصوروں کے وہ وسیۂ خیر و صداقت بننے کا شرف حاصل کر لیتا ہے اور اس کے اندر کچھ اس طرح کی عجز و انابت اور استغفار و اعتراف کی سوز و سوزش پیدا ہو جاتی ہے جو اسے استیلاء شیطانی سے بچائے رکھتی ہے۔ اور پھر یا تو بالآخر منزل آخری تک پہنچا دیتی ہے۔ یا راہ کی ٹھوکروں میں سے گر کے رہ جاتا ہے۔

(۳) اور یا پھر وہ خباثت ابلیسی اور شرارت نفسانی کا ایک مظہر لعین ہوتا ہے جو محض اپنی اغراض نفسانی کے لئے عارتیاً کسی امر حق کا اعلان کرنے لگتا ہے' اور اس سے مقصود حق نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک تاریک باطل جو اس کے پیچھے چھپا دیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت نفاق کی یہ ایک سب سے زیادہ خبیث قسم ہے۔

پس پہلی قسم کی جماعت کے لئے تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

تیسرے گروہ کو بھی نتائج حق کی بحث سے مستثنیٰ کر دینا چاہیے کیونکہ گو وہ مدعی حق ہو مگر دراصل اس کا حکم بھی باطل و فساد ہی کا ہے اور خدا ایسی باطل کے ساتھ وہ سلوک نہیں کر سکتا جو اس نے حق و ایمان کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا

الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ٥ (٣٨ : ٢٧)

البتہ دوسری قسم کے لوگوں کی نسبت میں کہنا چاہتا ہوں یہی
وہ لوگ ہیں کہ خدا ان کی نیتوں کو قبول کر لیتا اور سعی حق اور خدمت
صداقت کی برکت سے ان کو اپنے لطف و کرم کا مورد بنا دیتا ہے۔
وہ خود خواہ کیسے ہی گرفتار قصور و مبتلائے ذنوب ہوں لیکن چونکہ
اس کے کلمۂ حق کے خادم، اس کی سچائی کے پرستار اور اس کے دین
حق کی عزت و عظمت کے لئے اپنے اندر ایک بے قراری رکھتے
ہیں۔ اس لئے اس کی شان کریمی و رحیمی انہیں اپنوں میں سے سمجھنے
لگتی ہے۔ ان کے کاموں کے نقص و فتور کو اپنی توفیق رفق کی بخشش
سے کامل کر دیتی ہے اور انہیں کبھی غیروں کے آگے ذلیل و رسوا
ہونے نہیں دیتی۔ کیونکہ اگر ان کا قصور اس کے کرم کا سزاوار نہیں تو
اس کی صداقت کی عزت تو مستحق لطف و نوازش ضرور ہے ؎

اگر نہ بہر من از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی او خوبی خداوندست

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے کسی اہم اور
معزز کام کے انجام دینے کی عزت اپنے کسی غلام کو دیدے۔ گو وہ

کیسا ہی ادنیٰ اور حقیر ہو گا اور کیسے ہی قصور اس سے اپنی خدمتوں اور
پرستاروں میں سرزد ہوں گے، لیکن تاہم بادشاہ کا کرم شاہانہ اس
کی سفارش کرے گا۔ اور کہے گا کہ مانا کہ یہ ہر طرح نالائق اور سزاوار عتاب
ہے۔ لیکن اب تو اس کی عزت میری عزت ہو گئی ہے۔ اور دنیا اسے
میری نسبت سے پہچانتی اور میرا خدمت گذار سمجھتی ہے۔ نہ ہو کہ کل کو
دشمن ہنسیں کہ میرے دربار عزو جلال کے نام لیواؤں کے لئے عزت
و سُرخ روئی نہیں ہے۔ پس شان عفو و کرم یہی ہے کہ جسے ایک بار
سربلندی دی، پھر اُسے نگونسار نہ کیا جائے۔ وللہ درما قال ؎

عوض نہ لے میرے جرم و گناہ بے حد کا
الٰہی! تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج
یہ اُن کے بندے ہیں جن کو کریم کہتے ہیں

بیسویں صدی کی لیڈرشپ

یہ فیصلہ دراصل میرے ایک بنیادی اور دینی اعتقاد کا قدرتی
نتیجہ تھا۔ میں نے اپنے لئے جو راہ عمل منتخب کی تھی، وہ دعوت د

تبلیغ کی راہ تھی، موجودہ زمانے کی مصطلح لیڈرشپ کی راہ نہ تھی۔ میرے سامنے اتباع واقتدار کے لئے نوع انسانی کے ان مخصوص افراد کا نمونہ تھا، جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ہیں۔ اور جن کے طریق عمل کو اسلام کی اصطلاح میں "حکمت" اور "سنت" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میں اپنی راہ طلبی کا ہاتھ ابراہیم و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے رہنما ہاتھوں میں دے دینے کے لئے مضطر تھا۔ گریبالڈی، میزنی، یا گلیڈاسٹون اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا۔ یہ تو ضروری تھا کہ میرا وجود گوشۂ فقر و نامرادی میں خدمت و محنت کا ایک غیر دلچسپ منظر ہوتا یا انسانوں کے کسی ہجوم میں پکارنے والے کی بے پروا پکار۔ لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کی فراموش کردہ عہد نبوت و مذاہب کا ایک دلدادہ، انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریذیڈنٹ ہو۔ خدا کے رسولوں کا طریق، خدمت و دعوت اور بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت، ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتے۔

مختلف دعاۃ اِصلاح اور دعوۃ "الہلال"

مسئلہ احیاء و تجدید ملت، جو گذشتہ ایک صدی سے تمام عالم

اسلامی میں دعاۃ اصلاح و ترقی کے لئے مبحث افکار معرکہ آراء و انظار رہ چکا ہے۔ مسئلہ احیاء ملت کا مقصود واضح ہے۔ یعنی مسلمانوں کو موجودہ پستی و ادبار سے نکالنے اور ان کے عز و اقبال رفتہ کے واپس لانے کے لئے کیا اسباب و وسائل اختیار کرنے چاہئیں۔ اور راہ عمل و فوز کیا ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں ابتدا سے تین مختلف مذاہب اصلاح ہیں۔ جو ہندوستان، مصر، ٹرکی، ایران، ٹیونس اور بلاد ترکستان و قفقاز کے درمیان اصلاح نے اختیار کئے ہیں:-

پہلا وہ مذہب وہ ہے جسے میں "اصلاح افرنجی" سے موسوم کرتا ہوں۔ گذشتہ صدی یورپ کے تمدن و صنائع کے ظہور و اعلان کا عہد تھا۔ یورپ کی پستی نہایت تیزی کے ساتھ بلند ہو رہی تھی۔ اور مشرق کی بلندی موجودہ پستی کی طرف تیزی کے ساتھ گر رہی تھی۔ جب یورپ کے تمدن کا ہوش ربا جلوہ اسلامی ممالک کے سامنے بے نقاب ہوا تو دو مختلف اثرات دو مختلف جماعتوں پر مرتب ہوئے۔ غالب جماعت نے تو اپنی غفلت و جمود کی وجہ سے اس انقلاب و تغیر کی طرف نظر ہی نہ اٹھائی۔ لیکن ایک جماعت ارباب بینش و خبر کی بھی تھی۔ جس نے فوراً تغیر احوال محسوس کیا۔ لیکن جیسا کہ طبیعت بشری کا خاصہ ہے، اپنی پستی و کمزوری اور جلوہ کی نظر فریبی و ہوش ربائی

کی وجہ سے بہ اوّل نظر مرعوب و مسحور ہو گئی۔ اور مقابلہ و مقاومت کی جگہ تقلید و اطاعت کے جذبات اُس میں پیدا ہو گئے۔ ہندوستان میں سرسید احمد خاں مرحوم اور ان کے متبعین و مقلدین، ٹرکی میں سلطان محمود خاں، اور اس کے وزرا مثلاً فواد پاشا، مصر میں محمد علی پاشا ٹیونس میں خیر الدین صاحب "اقوام المسالک" اور بیرم تونسی صاحب "صفوۃ الاخبار" وغیرہم اسی گروہ میں محسوب ہیں۔ انہوں نے اصلاح و تغیر کے لئے صرف یورپ کی تقلید، علوم مدنیہ کی ترویج، عادات و خصائل فرنگ کے تخلق و تشبہ اور ان کے ذہنی و عملی تعبد و اطاعت کو اساس کار و اعتناد و اصلاح قرار دیا۔

دوسرا مذہب "اصلاح سیاسی" کا مذہب ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس کو اسلامی ممالک کے پولیٹیکل زوال اور سیاسی اختلال کا حد درجہ استغراق ہوا۔ اس لئے اس کی نظر اس طرف گئی کہ سب سے مقدم سیاسی اصلاح ہے۔ جب تک یہ ظہور پذیر نہ ہو کوئی سعی سودمند نہیں ہو سکتی۔ ممالک اسلامیہ میں اس مذہب اصلاح کے سب سے بڑے داعی مرحوم سید جمال الدین اسد آبادی تھے۔ اور ٹرکی میں مدحت پاشا ابو الاحرار کی دعوت بھی اسی مسلک میں محسوب ہے۔

تیسرا مذہب اصلاح "اصلاح دینی و اسلامی" کا ہے۔ اگرچہ اس

مذہب کے دعاۃ بمقابلہ سابقہ قلیل رہے۔ مگر فی الحقیقت مسئلہ اصلاح میں یہی گروہ اصحاب رشد و ہدائیت اور سالکین جادۂ اقتصاد و حق نکا رہا ہے۔ بحکم حدیث غربت "قلیل فی ناس سوء کثیر" (رواہ ابو داؤد) گو ان کی تعداد قلیل اور ان کی صدائیں ضعیف رہیں۔ لیکن زمانہ روز بروز ان کی دعوت سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور مذاہب سابقہ کی ناکامیوں نے بہت جلد اس مسلک کی صحت و حقانیت دنیائے اسلام پر آشکارا کردی۔

اس آخری مسلک اصلاح کی بنیاد حسب ذیل مبادی و مقامات پر تھی۔ اور ان ہی کی دعوت تبلیغ کے لئے ۱۹۱۱ء میں میں نے الہلال جاری کیا تھا۔

۱۔ اسلام کے نظم شریعت میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اسلام نے شریعت الٰہی کو نوع انسانی کی تمام سعادت و ہدائیت کا کھیل و سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کی سیاسی، علمی، اخلاقی، قومی، مدنی زندگی کی بنیاد صرف ایک ہی حقیقت جامعہ پر ہے۔ یعنی شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت پر۔

۲۔ مسلمانوں کی قومیت صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم و عمل ہے۔ شریعت نے انہیں بنایا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی قوم

وہی ہیں، وہی خیر الامم ہیں، وہی خیر البریہ ہیں، وہی شہداء علی الناس ہیں، وہی شہداء اللہ فی الارض ہیں۔ ان کے عروج وسعادت کی علت صرف یہ تھی کہ قرآن حکیم وسنت رسول کو انہوں نے اپنا دستور العمل حیات قرار دیا تھا۔ قرآن کی نسبت صاحب قرآن کا اعلان تھا کہ

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع بہ آخرین

(رواہ مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی ہدایت سے قوموں کو اٹھائے گا۔ اور یہی ہے جس کو ترک کر کے قومیں گریں گی اور ہلاک ہوں گی۔ پس جب مسلمانوں نے قرآن وسنت کا علم وعمل ترک کر دیا۔ تو اقبال وعروج نے بھی ان سے کنارہ کشی کر لی۔ یہ مسلم اور حقائق تاریخ میں سے ہے کہ مسلمانوں کے عروج واقبال کا سب سے بہتر اور ارفع زمانہ وہی تھا، جب بجز کتاب وسنت کے علم وعمل کے اور کوئی تعلیم ان کی رہنما نہ تھی یعنی عہد صحابہ کرام وخلفائے راشدین اور تنزل وفساد کا عہد اس وقت سے شروع ہوا کہ جب اقوام ماضیہ مغضوبہ کے علوم واعمال بدعیہ ان میں رائج ہوئے۔ ایک ہی علت کے دو مختلف نتائج نہیں نکل سکتے۔ پس اگر اب بھی مسلمان اپنے عروج رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں تو صرف ایک ہی راہ ...... اس کے علاوہ جس قدر بھی راہیں نکلیں گی گمراہی وفسادکی ہوں گی۔

۳ - اس مسلک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر بھی تھی کہ شریعت اسلامیہ آخری و اکمل شریعت ہے۔ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ اور اس کا وعدہ ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یقیناً اس وعدہ کا ابھی ظہور نہیں ہوا۔ پس ضرور ہے کہ وعدہ الٰہی ظاہر ہو۔ اور اس لئے مستقبل کے لئے اگر کوئی راہ فوز و فتح ہو سکتی ہے تو صرف دعوت شریعت اور احیاء عمل بالقرآن ہی ہے۔

۴ - مسلمانوں سے اقتدار، اتباع شریعت مہجور نہیں ہوا۔ مگر علماء اسلام کی غفلت و اعراض سے۔ شریعت کے علم و عمل کے وہی حامل و مبلغ تھے۔ اور امت کی حیات شرعیہ کے تمام دار و مدار خود ان کی حیات ملی پر تھا۔ جب کتاب و سنت کا ترک و ہجر، تفرقہ و تشتت وحدت و سبل متفرقہ کا شیوع، اختلاف و تحزب کی عصبیت، علوم محدثہ کا استغراق، حب جاہ و ریاست کا استیلا، فریضۂ دعوت الی الخیر اور امر نہی عن المنکر سے تغافل، اہوار سلاطین و امراء کا اتباع، اجتہاد و فکر و نظر کا فقدان۔ غرض کہ منصب نیابت نبوت کا ضیاع اور احبار و رہبان اہل کتاب کے متذکرہ قرآن مفاسد کا ظہور و احاطہ خود طبقۂ علماء میں بحد کمال پہنچ گیا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ امت

کی ہلاکت تھا اور وہ ظہور میں آیا۔ وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا۔

پس اگر اصلاح حال کی کوئی راہ ہے تو وہ صرف یہی ہے۔ کہ علمار امت۔ کے طبقہ میں احساس حال کی تبدیلی پیدا ہو۔ اور وہ اپنے منصب عظیم کو از سر نو سنبھال لینے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ اس طرح علم وعمل شریعت کا احیار صورت پذیر ہو۔

"الہلال" کے مقاصد اور پولیٹیکل تعلیم

ایک ناظر الہلال نے مولانا رحمۃ کے نام ایک طویل خط لکھا ہے جس میں پالٹیکس پر استفادہ کیا گیا ہے۔ مجموعی خط کا خلاصہ اس قدر ہذا کیا جا سکتا ہے:-

(۱) پولیٹیکل مباحث مذہبی تعلیم سے الگ ہونے چاہئیں۔

(۲) ہندوستان میں اس وقت جو پولیٹکل گروہ ہیں ان میں "الہلال" کس کا ساتھ دیتا ہے۔

ذیل کا مضمون اسی خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ (مؤلف)

آپ فرماتے ہیں کہ پولٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجئے۔ لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے پاس کیا باقی رہ جاتا ہے؟ ہم نے پولیٹکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ

ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ہم انہیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں؟ ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو، ایک کفر صریح ہے۔ اور پالٹیکس بھی اس میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔ ما قدرا اللہ حق قدرہ۔ ورنہ پولٹیکل پالیسی کے لئے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کے اقتدار کرنے کی ضرورت پیش آتی بلکہ اسی سے سب کچھ سیکھتے جس کی بدولت تمام دنیا کو آپ نے سب کچھ سکھلایا تھا۔ اسلام انسان کے لئے ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا۔ اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لئے حکم نہ ہو۔ وہ اپنی توحید تعلیم میں نہایت غیور ہے۔ اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل ہوں۔ مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی، سیاسی ہو یا معاشرتی، دینی ہو یا دنیاوی، حاکمانہ ہو یا محکومانہ وہ ہر زندگی کے لئے ایک اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو وہ دنیا کا آخری اور عالم گیر مذہب نہ ہو سکتا۔ وہ خدا کی آواز اور اس کی تعلیم گاہ، خدا کا حلقۂ درس ہے۔ جس نے خدا

کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں یہی
وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مبین، حق الیقین، نور و کتاب
مبین، تبیاناً لکل شیٔ، بصائر للناس، ہادی و ھدی الی السبیل، جامع
اضراب و امثال، بلاغ للناس، ہادی بحر و بر اور اسی طرح کے ناموں سے
یاد کیا جاتا ہے۔ اکثر موقعوں پر کہا کہ وہ ایک روشنی ہے جب نکلتی ہے
تو ہر طرح کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ خواہ مذہبی گمراہیوں کی ہو خواہ سیاسی

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ	بیشک تمہارے پاس اللہ کی
اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ	طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان
مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ	کرنے والی کتاب آئی ہے۔ اللہ اس کے
اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ	ذریعے سے سلامتی کے راستوں پر ہدایت
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ	کرتا ہے اس کو جو اس کی رضا چاہتا ہے
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ	اور اس کو ہر طرح کی گمراہی کی تاریکی
بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى	سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵-۱۵)	لاتا اور صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔

اس آیت میں قرآن کو سبل السلام کے لئے ہادی بتلایا کہ وہ تمام
سلامتی کی راہوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور اگر آپ کے سامنے
پولیٹیکل اعمال کی بھی کوئی راہ ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سلامتی

آپ کو قرآن سے نہ ملے۔ پھر کہا کہ وہ انسان کو تمام گمراہیوں کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری پولیٹیکل گمراہیاں صرف اس لئے ہیں کہ ہم نے قرآن کے دست راہنما کو اپنا ہاتھ سپرد کیا۔ ورنہ تاریکی کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی۔ آخر میں کہہ دیا کہ وہ "صراط المستقیم" پر لے جانی والی ہے۔ اور "صراط المستقیم" کی اصطلاح قرآن کی زبان میں ایسی جامع و مانع ہے کہ ساری دنیا اسی کے اندر سمجھئے۔

پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کے پیرو اپنی زندگی کے ایک ضروری شعبہ یعنی سیاسی اعمال کے لئے دوسروں کے دروازوں کے سائل بنیں۔ حالانکہ خود قرآن ان کے پاس ایک حکم اور ایک "امام مبین ہے"

وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ   اور ہر شے کو ہم نے اس کتاب

فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (۱۲-۳۶)   واضح (قرآن) میں جمع کر دیا ہے۔

پس الہلال کا مقصد اصلی اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ "وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں خواہ تمدنی یا سیاسی ہوں خواہ اور کچھ وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی صدا صرف یہی ہے کہ "تَعَالَوْا اِلٰی

كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ۔ اس کتاب کی طرف آؤ جو ہم اور تم دونوں میں مشترک ہے۔ اور جس سے کسی کو اعتقاداً انکار نہیں مگر عملاً یہ حال ہے۔ کہ :-

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	اُنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا
اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ	کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ لیکن ان کے
تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (۵-۴۵)	دلوں میں ایمان نہیں۔

خدا تم کو اپنے کلام کے آگے سربلند کرتا ہے۔ تم کیوں اس سے گردن موڑ کر انسانوں کے آگے ذلت کا سر جھکاتے ہو۔ اس کے سوا الہلال کی تعلیم کا اور کوئی مقصد نہیں۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا	اور اس سے بہتر کس کی بات
مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ	ہو سکتی تھی جو خدا کی طرف دعوت
صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِىْ مِنَ	اور عمل اچھے کیے۔ اور کہے کہ میں
الْمُسْلِمِيْنَ ○	مسلمان ہوں۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پولیٹیکل خیالات کے تین راستے موجود ہیں۔ الہلال کس راہ پر قوم کو چلانا چاہتا ہے پھر آپ نے ان کو گنوا بھی دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ ایک چوتھی راہ کو بالکل بھول گئے۔ یہ تین راستے تو آج آپ کے سامنے نمودار ہوتے

ہیں۔ مگر وہ چوتھی راہ تو قدیمی راہ ہے۔ جس پر چل کر ہزاروں ہستیاں منزل مقصود تک پہنچ چکی ہیں۔ آسمان و زمین کے فاطر نے جس وقت انسانوں کو آنکھیں دیکھنے کے لئے عطا فرمائیں۔ اُسی وقت اس کے سامنے یہ راہ بھی کھول دی تھی۔ آدمؑ نے اس پر قدم رکھا اور نوحؑ نے پتھروں کی بارش میں اس کا وعظ کہا۔ ابراہیمؑ نے اس کی نشانی کے لئے قربان گاہ بنائی اور اسمٰعیلؑ نے اس کے لئے اینٹیں چنیں۔ یوسفؑ سے مصر کے قید خانے میں جب ایک ساتھی نے پوچھا تو اسی راہ کی اس نے راہ نمائی کی۔ اور موسیٰؑ جب وادیٔ ایمن میں روشنی کے لئے بے قرار ہوا تو اسی راہ کی تجلی ایک سبز درخت کے اندر نظر آئی۔ گلیل کا اسرائیلی واعظ جب یروشلم کے قریب ایک پہاڑ پر چڑھا۔ تو اس کی نظر اسی راہ پر تھی۔ اور پھر جب خداوند سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا۔ تو وہی راہ تھی جس کی طرف اس نے دعوت دی۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ	اللہ نے تمہارے دین کا وہی
الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا	راستہ ٹھیرایا ہے جس پر چلنے کا اس نے
وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ	نوح کو حکم دیا۔ اور اے پیغمبر! وہی
وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ	تمہاری طرف اتارا گیا۔ اور اسی کا ہم نے
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ	ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا

اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا	کہ اس دین کے راستے کو قائم رکھنا
تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ۔	اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

یہی وہ راہ ہے جس کی نسبت یوسف صدیق نے قید خانہ مصر میں یہ کہہ کر اپنا وعظ ختم کیا تھا۔ کہ:۔

ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ	یہی سیدھا راستہ ہے
وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا	مگر بہت ہیں جو نہیں جانتے۔
یَعْلَمُوْنَ ٥ (۱۲ : ۴)	(۱۲ - ۴)

اور جس کی نسبت داعی اسلام کو حکم ہوا تھا کہ یہ کہہ دے:۔

ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا	میرا راستہ یہ ہے، تم سب کو اللہ
اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا	کی طرف بلاتا ہوں، میں اور جو لوگ میرے
وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ۔	پیرو ہیں سب عقل و بصیرت کے ساتھ
(۱۲ : ۱۰۸)	اسی دین کے راستہ پر ہیں۔

الحمدللہ کہ ہم "وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ" کے زمرے میں داخل ہیں اور اسی لئے جناب کی قرار دی ہوئی ان تینوں انسانی راہوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ بلکہ اس چوتھی راہ الٰہی کی طرف دعوت ہیں۔ یہ قرآن کی بتلائی ہوئی راہ صراط المستقیم ہے۔ کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لئے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا

تعلیم کو اپنا راہنما بنائے وہ مسلم نہیں بلکہ شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اس لئے مشرک ہے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ۔

"مسلمانوں کے سامنے خود ان کی پولیٹیکل راہ موجود ہے"

آپ پوچھتے ہیں کہ آج کل ہندوؤں کے دو پولیٹیکل گروہ موجود ہیں۔ آپ ان میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ گذارش ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں بلکہ خدا کے ساتھ ہیں۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلےٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنی پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لئے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر اپنا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں، اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دنیا ان کے آگے کھڑی ہو جائے گی۔ ان کا خود اپنا راستہ موجود ہے، راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں؟ خدا ان کو سر بلند کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے

ہیں؛ وہ خدا کی جماعت ہے اور خدا کی غیرت (والغیرۃ من شان حضرۃ الربوبیۃ) اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے بھی جھکیں۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ)۔

پس الہلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پالٹیکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا اعتماد کیجئے اور نہ ہندوؤں کے حلقۂ درس میں شامل ہو جئے۔ صرف اس راہ پہ چلئے جو اسلام کی بتائی ہوئی صراط المستقیم ہے۔

۱۔ اسلام کا اساس اولیں اصول توحید ہے۔ وہ سکھلاتا ہے کہ صرف خدا کو مانو اور صرف خدا کے آگے جھکو۔ اسی سے مدد مانگنی چاہیے اور اسی کی اعانت پر اعتماد کرنا چاہیے۔ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) جس طرح خدا کی ذات کو ایک ماننا توحید میں داخل ہے۔ اسی طرح اس کی صفات میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرنا جزو توحید ہے۔

پس خدا کے سوا کوئی نہیں جس کا حکم انتہائی حکم ہو۔ کوئی نہیں جو عاجزی و تذلل کا مستحق ہو۔ کوئی نہیں جس کی ضرورت و عظمت کے آگے چون و چرا کی گنجائش نہ ہو۔ اور کوئی نہیں جو ڈرنے اور خوف کرنے کے لائق ہستی ہو۔

۲ - اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو خیرالامم بنایا اور دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی۔ پس اپنے وجود کو ہر مسلمان محسوس کرے۔ اور افسردگی، بے ہمتی، خوف، مرعوبیت کی جگہ اپنے اندر بلندی، خودداری، طاقت اور استحکام پیدا کرے۔

۳ - خدا تعالٰے نے مسلمانوں کو ایک عادلانہ قوت قرار دیا اور فرمایا۔ کہ (وَجَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا) ان کا ہر کام عدل و اعتدال پر مبنی ہوگا۔ پس مسلمانوں کو ہر موقعہ پر میانہ روی اور راستی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

۴ - مسلمان دنیا میں صلح و امن کا پیام ہیں۔ انہوں نے تلوار بھی اٹھائی ہے تو صلح کی حمایت میں، پس فتنہ و فساد اگر اوروں کے لئے معیوب و جرم ہے۔ تو ان کے لئے تو معصیت اور فسق ہے۔ دنیا میں جن قوموں نے فتنہ و فساد اختیار کیا وہ قہر الٰہی سے مغضوب و مردود ہو گئے۔

۵ - قرآن ان کو سکھلاتا ہے۔ کہ:-

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ	ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی
وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا	اور پرہیزگاری کے کاموں کے لئے
عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔	گناہ اور فساد کے لئے نہیں۔

وہ دنیا میں خدا کے پاس اس امر کے ذمہ دار ہیں کہ نیکی کی حفاظت کریں اور فساد کو روکیں۔ پس ہر اچھی بات کرنے والوں کے وہ مددگار ہوں۔ خواہ وہ گورنمنٹ ہو یا کوئی اور قوم۔

۶۔ قرآن انتظام عالم کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ شخصی استبداد اور اقتدار کی مخالفت کرے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جو انسانوں کو محض اپنی رائے اور خواہش کے بنائے ہوئے احکام کی تعمیل پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہو۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ	یہ حق کسی بشر کو نہیں پہنچتا کہ
يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ	اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور عقل اور
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ	حکم اور نبوت عطا کرے۔ اور وہ
كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ	لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر
اللَّهِ۔ (۳ : ۷۹)	میری بندگی کرو۔

جس چیز کا اختیار انبیاء کرام کو نہیں اس کا حق کسی دنیوی طاقت حکومت کو بھی نہیں مل سکتا۔ البتہ وہ ملت اور جماعت کے اندر اپنی عقل کو مخفی بتلاتا ہے۔ اور کہتا ہے "يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے"۔ پس اس کے نزدیک وہی حکومت جائز ہو سکتی ہے جو شخصی نہ ہو بلکہ کسی ملت، اور قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اسی بنا پر

اس نے مشورہ کا حکم دیا ہے :-

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۔ — اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں مشورہ کر کے تمام کام انجام دیں۔ اے پیغمبر! تمام امور معاملات مشورہ کے ساتھ انجام دیا کرو۔

پس مسلمانوں کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ جائز آزادی کے حصول کے لئے کوشش کریں اور پارلیمنٹری حکومت انہیں جب تک نہ مل جائے اپنے اصول مذہبی کی خاطر چین نہ لیں۔

یہ اصول ہیں جن سے ہم اپنی پولیٹیکل پالیسی تیار کر سکتے ہیں۔ اور جس کے لئے ہمیں نہ تو ماڈریٹ ہندوؤں کی کاسہ لیسی کی ضرورت ہے نہ ایکسٹریمیسٹ کی۔ اگر ہم ایسا کریں تو ایک اعتدال پسند مگر بے خوف جماعت ہوں گے اور ہم سے کسی فریق کو ضرر اور نقصان کا خوف نہ ہوگا۔ ہم بالکل اپنے مذہبی اصول کے مطابق ملک کی ترقی اور آزادی کے لئے سعی کریں گے۔ لیکن ہماری سعی فتنہ و فساد اور شورش و بغاوت سے بالکل پاک ہوگی۔ قرآن نے ہم کو سکھلایا ہے کہ : لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (امن کے بعد زمین پر فساد نہ پھیلاؤ۔)

برٹش گورنمنٹ نے یقیناً ہم کو امن دیا ہے اور اس امن میں

ہم آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض انجام دیتے ہیں۔ بس اب باغیانہ شورو فساد اور مغویانہ قانون شکنی اصلاح کے بعد زمین کو آلودۂ فساد کرنا ہوگا۔ اور یقیناً خدا کا جرم اور عصیان ہے۔ اور خدا کی یہ تعلیم ہے۔ کہ (تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان) پس جو لوگ ملک میں فساد پھیلاتے ہیں خواہ وہ ہندو انارکسٹ ہوں یا جرائم پیشہ جماعتیں، ہمارا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ ان سے دوری ڈھونڈیں۔ اور بن پڑے تو ان کے دفع کے لئے کوشش کریں۔ گورنمنٹ کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم سچے مسلمان ہو جائیں۔ جس قدر اپنے نفس کے لئے مفید ہوں گے اتنا ہی گورنمنٹ کے لئے۔ نیز اسی قدر اپنے ہمسایوں کے لئے اس کو نہ بھولنا چاہیئے۔ اگر ہم سچے مسلمان ہوں تو ہمارے ہاتھ میں قرآن ہوگا۔ اور جو ہاتھ قرآن سے رُکا ہوا ہو، وہ بم کا گولہ یا ریوالور نہیں پکڑ سکتا۔ البتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام نے ہم کو آزادی بخشنے اور آزادی حاصل کرنے دونوں کی تعلیم دی ہے ہم جب حاکم تھے تو ہم نے آزادی دی تھی۔ اور اب ہم محکوم ہیں۔ تو وہی چیز طلب کرتے ہیں۔ ہم خدا کی مرضی اس میں یقین کرتے ہیں۔ کہ قوموں اور ملکوں کو اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اور یورپ خود اسی اصول پر کاربند ہو کر آزاد ہو چکا ہے۔ ہم

انگلستان سے آج اسی چیز کے طالب ہیں جس شے کے لئے وہ خود کل تک
بے قرار تھا۔ بے شک اگر اسلام کی بتلائی ہوئی پالٹیکس کی راہ ہمارے
سامنے ہوگی تو ہم ایک طاقتور گروہ ہوں گے، بے خوف ہوں گے۔
اظہار حق میں بے باک ہوں گے۔ کیونکہ ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں
ڈرتے۔ لیکن اسلام ہی کے بتلائے ہوئے اصولوں کی وجہ سے قانون
حکومت بھی ہماری طرف سے بے خطر ہوگی۔ چونکہ ہماری راہ صاف
اور غیر مشتبہ ہوگی اس لئے ہماری نیت اور زبان بھی ایک ہوگی۔ ہم جوش
میں بھی آئیں گے لیکن ہمارا جوش اور ایجیٹیشن قانون اور امن کے حدود
کے اندر رہوگا۔ کیونکہ خدا نے کہا ہے کہ فساد مت کرو۔ اب تک مسلمانوں
کے جو پیشوا قوم چپ اور غافل رکھنے کی سعی کرتے رہے وہ اندر ہی اندر
پھوڑے کو پکانا اور راکھ کے اندر چنگاریوں کو دبانا چاہتے تھے۔ لیکن اگر
ہم اس راہ پر آئے تو ہمارے زخم دل پر نہیں بلکہ کھلے ہوئے چہرہ دل
پر ہوں گے۔ ہماری خواہشوں اور شکائتوں کے پھوڑے اندر پک کر امن
کے جسم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے بلکہ پھوٹ کر بہہ جائیں گے۔ ہم
شور ضرور مچائیں گے مگر پھر دل میں کچھ باقی نہ رہے گا۔ اور یاد ضرور
کریں گے مگر اندر شکائتوں کی آگ کو نہیں پالیں گے۔ پس گورنمنٹ کی
بھی مصلحت یہی ہے کہ ہم کو مسلمان بننے کے لئے چھوڑ دے۔ کیونکہ

مسلمان ہونے کے بعد ہم اپنے نفس کے لئے نیز تمام عالم کے لئے
یکساں طور پر مفید ہستی ہو سکتے ہیں۔

یہ الہلال کی پالیسی ہے اور یہی دعوت ہے جس کی طرف ہم مسلمانوں
کو بلانا چاہتے ہیں۔ یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں اور نہ کسی انسانی
گروہ کا اتباع و تقلید ہے۔ بلکہ اس رب العالمین نے جس نے کتاب
و حکمت اور عدل و میزان کے ساتھ اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجا یہ راہ
ہمارے لئے کھول دی ہے۔ وہ اگر توفیق بخشے تو اس کی دی ہوئی زندگی
کو اسی دعوتِ حق میں ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ نہ کسی سے جنگ نہ کسی سے
مناقشہ۔ نہ صلہ کی توقع نہ داد کی امید۔ اس راہ کے داعی کریم کو جو حکم دیا
گیا تھا وہ ہمارے سامنے موجود ہے:۔

فَادْعُ وَ اسْتَقِمْ	(اے پیغمبر!) تو ان کو دعوت
كَمَآ اُمِرْتَ وَ لَا تَتَّبِعْ	دے اور جو حکم دیا گیا ہے اس پر
اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ	قائم ہو جا۔ ان کی خواہشوں پر نہ چل
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ	اور ان کو کہہ دے کہ تمام اتری ہوئی کتابوں
كِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ	پر میرا ایمان ہے اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ
بَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ	عدل کروں۔ وہی اللہ ہمارا اور تمہارا
رَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ	دونوں کا پروردگار ہے۔ ہمارا عمل ہمارے

لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے جھگڑے

بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ کی کوئی بات نہیں۔ اللہ نے ہم سب کو

يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَ اِلَيْهِ ایک جا جمع کر دیا۔ اور سب کو اسی کی

الْمَصِيْرُ ۝ (الشورٰی) پارہ ۲۵ طرف جانا ہے۔

مسلم لیگ مسلمانوں کی پولٹیکل راہنمائی کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٭

اسبابِ تنزّلِ عالمِ اسلامی

وہ کیا اسباب و بواعث ہیں جن کی وجہ سے اس شہادت کے قیام واجرا میں خلل پڑا۔ یعنی مسلمانوں کے تنزل علم وعمل کے مبادی و اساسات کیا ہیں؟ کیونکہ جب تک امراض کی صحیح تشخیص نہ ہوگی، علاج صحیح کی راہ نہیں کھل سکتی۔ اس سلسلے میں مفاسد و مہالک کے اصول بھی اور فروع بھی۔ مبانی و مبادیات بھی اور ان کا شیوع و انشعاب تھا۔

اصل اس بارے میں وہ مفاسد و فتن ہیں جو ہمیشہ اقوام و شرائع کی ضلالت و فساد کا باعث رہ چکے ہیں۔ اور اسی لئے قرآن و سنت نے اوّل دن ہی ان سب کی توضیح و تشریح کر دی تھی۔

ازاں جملہ وہ مفاسد ہیں جن کا حال امم سابقہ علی الخصوص اہل کتاب کے اسباب و ضلالت کی حکائت کرتے ہوئے قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے۔ اور مقصود ان سے امت مرحومہ کا تنبیہ و اعتبار ہے۔ اور ازاں جملہ فتنۂ شبہات و شہوات ہے جس کی خبر حدیث عائشہؓ عند صحیحین وغیرہما میں دی گئی۔ "شبہات" میں تمام ذہنی و اعتقادی مفاسد آ گئے۔ اور "شہوات" میں تمام عمل مفاسد ــــ اور ازاں جملہ فتنۂ تفرقہ و اختلاف ہے جس کے اخبار و دوائن مملو ہیں۔ اور ازاں جملہ فتنۂ تاویل الجاہلین و

تحریف الغافلین و انتحال المبطلین ہے۔ جس کی خبر حدیث ابراہیم بن العذری مسند بیہقی میں دی گئی تھی۔ اور جس کے تین جملوں میں سارے فتنے گن دیئے گئے ہیں۔ اور ازاں جملہ فتنۂ جدل و فتنۂ تعمق و تنطع اور فتنہ اہوا ہے۔ جن کے اخبار کو حضرت امام بخاریؒ نے باب الاعتصام بالسنہ میں ایک عجیب و دقیق ترتیب حکیمانہ و استنباط فقیہانہ کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور ازاں جملہ فتنۂ مولدین و دخلاء ہے۔ جس کی خبر حدیث ابن ماجہ میں دی گئی تھی کہ لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلا حتی نشاء فیھم المولدون۔ اور ازاں جملہ فتنۂ "تولید" "وہن" اور ترک جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور "وہن" کے معنی بتلائے تھے۔ کہ حب الدنیا وکراھۃ الموت۔

پھر ان مفاسد اصلیہ کے فروع اور برگ وبار ہیں۔ ضرور تھا کہ ان کی بھی تشریح کی جاتی۔ مثلاً نظام و قوام خلافت کی برہمی، تفرقۂ قومی و مناصب، حکومت شورای کی جگہ حکومت شخصیہ و مستبدہ کا قیام وحدت کلمۂ اسلام کی جگہ تفرقۂ مذاہب و احزاب کہ فی الحقیقت راس الفتن اور علت العلل انقراض ملت یہی ہے۔ اسی طرح ترک اہتدار بہ کتاب و سنت کی جگہ علوم محدثہ و دخیلہ کا استغراق اور شیوع۔ فتنۂ یونانیہ و عجمیہ کا ظہور کہ فتنۂ شبہات اور فتنۂ مولدین میں انہی دو سب سے بڑے

فتنوں کی خبر دی گئی تھی۔ اور ازاں جملہ علماء میں اصحاب مناصب و ریاست کی کثرت کہ بقول امام غزالی سب سے بڑا سبب علماء دنیا کی کثرت اور علماء آخرت کی قلت کا یہی ہوا (قال فی الاحیاء) اور ازاں جملہ اقوام مغضوبہ و مضلّہ کی موالات کا شیوع اور استیلا جس سے کتاب و سنت میں بار بار روکا گیا تھا۔ اور صحابۂ کرام اس فتنہ سے تعوذ کیا کرتے تھے۔ اور ازاں جملہ خلافت کا فقدان، بالآخر تمام اسلامی حکومتوں کا زوال، علماء کا محکومیت و غلامی پر اقتناع فریضۂ جہاد و دفاع فی سبیل اللہ سے اعراض، ادائے فرض و وظائف شرعیہ میں طرح طرح کے حیل و احتیال اور اسی طرح کے بے شمار فرعی مفاسد تھے ÷

مسلمانوں کا عالمگیر تنزّل اور اس کا اسلامی حلّ

صدیوں سے مسلمانوں پر جو انحطاط قوا و جذبات پر طاری ہے۔ اس نے ان جذبات مقدسہ سے تقریباً انہیں محروم کر دیا ہے۔ اسلام پرستی و ملت خواہی کے وہ جذبات جنہوں نے بدر و حنین سے لے کر جنگ صلیبی تک مسلمانوں کی قوت و حقانیت کو ہمیشہ برقرار رکھا اور فتنۂ تاتار

جیسی مہیب بربادیوں کے بعد بھی ممالک اسلامیہ کے طول وعرض کو سمٹنے
نہ دیا۔ اب صرف تاریخ عالم کی سرگذشتوں کا ایک حصہ بن کر رہ گئے ہیں
اور صدیوں سے حفظ ملت و دفاع اسلام کا فرض افراد و اقوام کی
جگہ صرف حکومتوں اور ان کی فوجوں کی رو بہ تنزل قوت کے اعتماد پر
چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام کے نظام اجتماع کی سب سے بڑی
خصوصیت یہ ہے کہ اس نے حفظ ملت کے فرض کو ہر فرد ملت پر فرض
کر دیا تھا۔ اور اسی کو دین قویم کا ایک بہت بڑا فرض باسم "جہاد" قرار
دیا تھا۔ اگر اُمت مرحومہ کوئی جسم واحد ہے تو اس کی ریڑھ کی ہڈی یہی
اصول دینی تھا، پر افسوس کہ دست تغیر نے سب سے پہلے اسی کو زخمی
کیا۔ اور اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ
جذبات معدوم ہو گئے ہیں اور طبیعۃ اسلامیہ اب اپنے خواص فطریہ کو
بالکل کھو چکی ہے۔ دین الٰہی کی پیدا کی ہوئی قوت تعلیمی ایسی ہی ضعیف و کمزور
اثر ہوتی تو وہ اتنی عمر نہ پاتا جتنی عمر کے ساتھ باوجود صدہا صدمات مہلکہ
کے آج موجود ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان اپنے تمام جذبات وقوائے کے
ظہور کے لئے خارجی محرکات و موثرات کا محتاج ہے، اور یہی احتیاج طبیعی
ہے جس کو قرآن کریم نے "تقدیر" اور "اذن الٰہی" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے
بغیر دنیا کا ایک ذرہ بھی متحرک نہیں ہو سکتا۔ اسلام پر چھ سات صدیوں

سے عالمگیر تنزل قلبی و دماغی طاری ہے۔ اور وہ تمام محرکات و مؤثرات اور اسباب گرد و پیش مفقود ہو گئے ہیں۔ جو طبیعۃ اسلامیہ کے اصلی خواص کو نمایاں کرتے، حیات مسلم و مومن کے الٰہی و قدسی جوہروں کو چمکاتے تھے۔ ان قوتوں کے ظہور و حرکت کے لئے سنین اولیٰ کے سے حالات و اسباب پچھلی صدیوں میں بھی اگر میسر آ جاتے، اور اسلام کا حقیقی نظام اجتماعی و دینی قائم رہتا تو یقین کیجئے کہ آج بھی اس کی سرزمین وہ لعل و جواہر اگل سکتی تھی جن کی درخشندگی سے چشم عالم خیرہ ہے ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

اسلام نے اپنے پیروؤں کو سب سے بڑی چیز جو دی ہے۔ وہ راہ حق و عدالت میں جان فروشی کا سبق ہے۔ اسلام کا پہلا پیکر قدسی جو خطاب "مسلم" سے متصف ہوا، وہ تھا جس سے کہا گیا کہ "اَسْلِمْ" (مسلمان ہو جاؤ) تو اس نے جواب میں سر جھکا دیا۔ کہ :-

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ	میں "مسلم" ہوا تمام جہانوں
الْعٰلَمِیْنَ۔ (۲-۵۲)	کے پروردگار کے نام پر۔

پس اس نے اپنے ہاتھ میں چھری لی، اور ایک پکے جلاد کی طرح سے پتھر کی چٹان پر تیز کرنے لگا۔ تاکہ اپنی اس محبت ماسوا اللہ کی جو

اس کے دل میں فرزند محبوب کی ہے

اور اس فرزند عزیز کی جس کا عشق حقیقت اسلامیہ کی راہ میں آزمائش بن گیا ہے، اللہ کے نام پر قربانی کر دے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	اور جبکہ ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار
رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ	نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے
(۲ : ۱۳۲) سورہ بقر پارہ اول	انہیں پورا کر دکھایا۔

جب ایسا ہوا تو حقیقت اسلامیہ درجۂ تکمیل تک پہنچ گئی اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اس منصب رفیع و جلیل تک مرتفع ہوئے جو اسلام کا اوّلین نتیجہ ہے۔ یعنی دنیا میں خدا کی مادی و معنوی خلافت و نیابت اور اس کے بندوں کی پیشوائی و امامت!

قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ	(جب حضرت ابراہیمؑ نے اسلام
لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ	کی حقیقت کو اپنے اوپر طاری کر لیا تو خدا
وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ	نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! ہم تم کو انسانوں
قَالَ لَا يَنَالُ	کا امام بنانے والے ہیں۔ اس پر انہوں نے
عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ	عرض کیا "میری اولاد اور پیرووں میں سے"
(۲ - ۳۲) سورہ بقر پارہ اول	فرمایا کہ "ہاں" مگر ہمارے اس اقرار میں وہ

داخل نہیں جو نافرمان ہوں اور اسلام کی قربانی سے انکار کریں۔

پھر یہ سبق تھا جو جبل بوقبیس کی مخفی صحبتوں میں دھرایا گیا۔ اور فتح بدر و تسخیر مکہ کے کشور کشایانہ مجمعوں میں جس کے نتائج نظر آئے۔

قُلْ اِنْ كَانَ	اے مسلمانو! اگر تمہارے باپ تمہارے
اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ	بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا
وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ	خاندان، تمہاری دولت جو تم نے کمائی ہے
وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ	وہ کاروبار دنیوی جس کے نقصان کا تم کو ہر وقت
ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	اندیشہ رہتا ہے، اور وہ مکان و جائداد جو تمہیں
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	مطلوب و محبوب ہیں کہ یہ تمام چیزیں تمہیں اللہ
وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ	اس کے رسول اور اس کی راہ میں صرف جان و
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	مال کرنے سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں تو دین
وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ	الٰہی کو چھوڑ دو۔ خدا تمہارا محتاج نہیں ہے
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ	یہاں تک کہ اللہ کو جو کچھ کرنا ہے وہ کر گذرے
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ	اللہ کی ہدایت ان کے لئے نہیں ہے جن کے
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	دل میں حقیقت اسلامیہ کی جگہ فسق و نفاق
الْفٰسِقِيْنَ۔ (۹ : ۲۴) سورۂ توبہ	بھرا ہے۔

یہ سبق مومنین اولین اور مسلمین قانتین کے آگے اسلامی قربانی و الٰہی تعالیٰ کے ایک اسوۂ حسنہ کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اور راستباز روحوں نے

اسے قبول کیا۔ صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال لٹایا۔ امیر مرتضیٰؑ نے اپنی جان
گرامی ہتھیلی پر رکھی۔ مہاجرین نے اپنے وطن محبوب اور تمام عزیز و اقربا
سے رشتہ کاٹا تاکہ خدا اور اس کی صداقت سے ان کا رشتہ جڑ جائے۔
انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی دولت کے نصف حصہ کا مالک
سمجھا، تاکہ ان کا خدا ان کو اپنی پوری محبت و خوشنودی کا مالک بنا دے۔
مدینہ کی گلیوں سے ایک عورت نکلی جس نے اپنا شوہر اور اپنی اولاد
ایک ایک کر کے حفظ اسلام کے لئے کٹوا دی، اور اُحد کے دامن
میں ایک مومنہ مخلصہ نے اپنے سینے کو ڈھال بنا کر تیروں کی بارش
کو روکا۔ تاکہ خدا کے داعی برحق کے جسم مطہر کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ
وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ
لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫
وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي
التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ

بے شک اللہ نے مومنوں کی جانوں
کو اور ان کے مال و متاع کو خرید لیا ہے
تاکہ انہیں بہشت کی دائمی زندگی بخشے۔
وہ مومن مخصوص ہیں جو اللہ کی راہ میں
لڑتے ہیں اور کبھی مارتے ہیں اور کبھی خود
مرتے ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس کا
سچا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کا پورا کرنا خدا
نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اور خدا سے

وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی	بڑھ کر اپنے وعدے کا سچا اور کون ہو سکتا
بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ	ہے؟ پس اے مسلمانو! اپنے اس خرید و فروخت
فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ	کی جو تم میں اور تمہارے خدا میں ہوئی ہے
الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ	خوشیاں مناؤ کہ اس میں تمہارے لئے
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۹:۱۱۳) سورہ توبہ	بڑی ہی کامیابی ہے۔

آن بیع را کہ روز ازل با تو کردہ ایم
اصلاً دراں حدیث اقالہ نمے رود

یہ تو اسلام کے بازار جان فروشی کی ابتدائی خرید و فروخت تھی، آگے چل کر یہ حالت قائم نہ رہی، لیکن تاہم صدیوں تک اس کے شواہد و مناظر ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر صلیبی جنگوں کے زمانے کے حالات بیان کئے جائیں تو ان کے بے شمار واقعات پڑھ کر تمہیں تعجب ہو گا۔ کہ کس طرح اسلام کی تاریخ ہمیشہ بدر اور احد کی جانفروشیوں کو دہراتی رہی ہے +

رشتۂ خلقت کی وحدت اور اسلام

انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خود فراموشی تھی کہ اس نے رشتۂ خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کو ٹکڑوں اور خاندانوں کی

تفریقوں پر انسانی رشتے قائم کرلئے تھے. خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی
اتحاد کے لیے تھی، قوموں کے باہمی اختلافات و نزاعات کا گھر بنا دیا تھا.
لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات
پر نہیں بلکہ الٰہی تعبد کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت و اتحاد کی دعوت
دی اور کہا. کہ :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا	اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت
خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ	کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور
وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا	نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا اس لئے
وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ	کہ باہم پہچانے جاؤ۔ ورنہ دراصل یہ تفریق
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ	و انشعاب کوئی ذریعۂ امتیاز نہیں۔ اور
اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ	امتیاز اور شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے
(سورۃ الحجرات) پارہ ۲۶	نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے.

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان
کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق وہ ایک الٰہی نشان
ضرور تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اس کو وہ کسی انسانی تفریق و تقسیم کی حد نہیں
قرار دیتا۔ انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں
اصلی رشتہ صرف ایک ہے۔ اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق

اور پروردگار سے متصل کرتا ہے۔ وہ ایک ہے۔ پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ سمندروں کے طوفان، پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس ونسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ	بے شک تمہاری جماعت ایک ہی
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا	اُمت ہے۔ اور ہم ایک ہی تمہارے
رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ؕ (المؤمنون)	پروردگار ہیں۔

اے برادران ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوتِ اسلام کی دعوت تھی جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا اسلام نے ریگستانِ حجاز میں ظہور کیا۔ مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی۔ اس کی دعوت کی صدا جبل بوقبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی مگر دیوار چین سے صدائے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی بازگشت گونجی۔ تاریخ کی نظریں جس وقت دریائے دجلہ وفرات کے کنارے پیروانِ اسلام کے نقش قدم گن رہی تھیں، عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سینکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے کے لئے وضو کر رہے تھے۔ یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے جن کو شیطان رجیم

کی تفرقہ اندازیوں نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا لیکن خدائے رحیم نے صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعے پھر ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکائتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک ہو گئے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ	اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم
اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ	پر نازل کی گئی جب کہ تم اسلام سے پہلے
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ	ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ مگر اسلام
قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ	نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا
بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ہ	کر دی۔ اور دشمن کی جگہ ایک دوسرے
(آل عمران) پارہ چوتھا	کے بھائی بھائی ہو گئے۔

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی ہے۔ ہر انسان جس نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا اقرار کیا۔ بمجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا خواہ مصری ہو خواہ نائجیریا کا وحشی ہو، خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک۔ لیکن اگر وہ مسلم ہے تو ایک خاندان توحید کا عضو ہے۔ جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔ دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے

ہیں، مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے۔ بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت، خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں، مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوست دیک جان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے۔ جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزان ملت اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلہ اسلام! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروان اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے۔ تو تعجب ہے اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں اگر آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان سات کروڑ زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامی وطن کے حلق بریدہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل نہ

جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے؟ ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعت نزع میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آواز نکل رہی تھی، تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو اگر اپنی گردن پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظین کلمۂ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھن رہے ہیں تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولؐ کے آگے ملعون ہوں اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں حالانکہ اگر اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے، تو مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اگر میدانِ جنگ میں کسی تُرک کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان، مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس کی چُبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے۔ کیونکہ ملّتِ اسلام ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چُبھے تو جب تک باقی اعضاء کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں ممکن نہیں کہ اس کے صدمے سے بے خبر رہیں۔ اور جو کچھ کہہ رہا ہوں محض اظہار مطلب زورِ بیان ہی نہیں ہے۔ بلکہ عین ترجمہ اس حدیث مشہور کا،

جس کو امام احمدؒ و مسلمؒ نے نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ جناب
رسول کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے فرمایا :-

مثل المومنین	مسلمانوں کی مثال باہمی مودت
فی توادھم وتراحمھم	و رحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے
وتعاطفھم مثل الجسد	جیسے ایک جسم واحد کی۔ اگر اس کے ایک
اذا اشتکی لہ عضو تداعی	عضو میں کوئی شکائت پیدا ہوتی ہے تو
لہ سائر الجسد بالسھر والحمیٰ	سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے
المؤمن للمؤمن	ایک مومن دوسرے مومن کے لئے
کالبنیان یشد بعضہ	ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک
بعضاً۔	اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اولیں اور اشرف
ترین خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اپنے جامع و مانع الفاظ
میں اشارہ کیا ہے۔ کہ :-

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ	کافروں کے لئے نہایت سخت مگر
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ	آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد۔

ان میں جس قدر سختی ہے باطل اور کفر کے لئے۔ اور ان کی جس قدر
محبت والفت ہے حق اور صداقت اور اسلام و توحید کے لئے۔

اے حضرات! یاد رکھیے کہ آج اسلام کے لیے مسلمانوں کی کوئی وطنی اور مقامی تحریک سود مند نہیں ہو سکتی۔ اور اس کشتی کے تیرنے کے لیے اصلی (نہ کہ یورپ کے اختراعی) بادبان اسلام ازم کے سوا اور کوئی بادبان نہیں ہے۔ ایک قوم جو ریگستان عرب سے دیوارِ چین تک آباد ہے۔ اس کو زمین کے کسی خاص ٹکڑے کا تغیر کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ جس قدر مقامی کوششیں آج عمل میں آ رہی ہیں خواہ وہ مصر میں ہوں یا ترکی میں، الجزائر میں ہوں، یا اس تیرہ و تار ہند میں، میرے عقیدہ میں یہ سب کچھ کاہن شیطان کا ایک عمل السحر ہے۔ جو اس لیے سلاتا ہے کہ سونے والوں کا اٹھنا اسے پسند نہیں"

مسلمانوں کے سفرِ عمل کا پہلا قدم

میں آج سب کچھ چھوڑ کے تم سے ایک ہی آخری بات کہنی چاہتا ہوں۔ اور یقین کرو کہ اس کے سوا جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اگر وہ اس بات کے لیے نہیں کہا جاتا تو سب کچھ بے کار ہے۔ اور اس میں تمہارے لیے کوئی برکت و امن نہیں۔ سو یاد رکھو اور ماننے کے لیے جھک جاؤ کہ تمہاری زندگی کا ہر عمل بے کار ہے۔ اور تمہارے فکروں کی ہر فکر گمراہی و ضلالت ہے۔ تمہارے لیے صرف ایک ہی راہ نجات ہے۔ اور بغیر

اس کے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ تم جب تک اس پہلی منزل سے نہ گذرو گے اس وقت تک خدا کا قہر تم سے ٹھنڈا نہ ہوگا۔ اور تم کبھی مراد اور خوشحالی نہ پاؤ گے۔ تمہارے سفر عمل کا پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کرو۔ اپنی تمام قوتوں اور تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کے آگے جھک جاؤ۔ اس کی سرکشی اور بغاوت چھوڑ دو۔ اس کے عشق اور محبت کو اس قدر پیو کہ بدمست ہو جاؤ اور اس کے آگے اس طرح گرو اور اس طرح روؤ اور اس قدر تڑپو کہ اسے تم پر پیار آجائے۔ اور وہ تمہیں پہلے کی طرح پھر اپنی گود میں اٹھالے اور سب کچھ تمہیں کو دے دے۔ جس طرح کہ سب کچھ تمہیں کو اس نے بخش دیا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرنے والے
إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ	ہو جاؤ تو اللہ تمام دنیا میں تمہارے لیے
لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ	یہ ایک امتیاز اور سربلندی پیدا کر دے گا۔ نیز
عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ	تمہاری تمام برائیوں کو دور کر دے گا اور تمہیں
لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ	بخش دے گا۔ تم اس کے آگے کیوں نہیں جھک
الْعَظِيمِ۔	جاتے۔ وہ تو بڑا ہی فضل کرنے والا ہے"

تم نے غفلت کو خوب آزما لیا۔ تم نے نافرمانیوں کی سختیوں تک کڑواہٹ چکھ لی۔ تم نے گناہ اور معصیت کے پھل سے اچھی طرح اپنے

دامن بھر لیے۔ تم نے دیکھ لیا کہ ایک خدا کی چوکھٹ سے تم نے سرکشی کی اور کس طرح ساری دنیا تم سے سرکش ہو گئی۔ اور ایک اس کے روٹھنے سے کس طرح تمام دنیا تم سے روٹھ گئی۔ پس مان جاؤ۔ اور اب بھی باز آجاؤ۔ گناہوں کو آزما چکے۔ آؤ تقوے اور راست بازی کو بھی آزما لیں۔ سرکشیوں کو چکھ چکے آؤ اطاعت کا بھی مزا دیکھ لیں۔

غیروں سے رشتہ جوڑ کر تجربہ کر چکے۔ آؤ اسی ایک سے پھر کیوں نہ جڑ جائیں جس سے کٹ کر ذلتوں اور خواریوں، ٹھوکروں اور راندگیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ	پھر کیا ہے کہ اب بھی تم اللہ کے آگے
اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ	نہیں جھکتے اور توبہ و استغفار نہیں کرتے حالانکہ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔	اللہ تو بڑا ہی بخشش دینے والا اور بڑا ہی رحمت فرما ہے

تمہارے خدا نے تمہارے ساتھ کونسی برائی کی تھی کہ تم نے اُسے چھوڑ دیا۔ اور اُسے چھوڑ کے کونسی دولت و نعمت ہے جو تمہیں ہاتھ آ گئی؟ خدا سے بڑھ کے وہ اور کون حسین ہے جس کے حسن نے تم کو خدا سے چھین لیا؟ اور اس سے بڑھ کر کس کے پاس محبت اور پیار ہے جس کی زنجیریں تمہارے پاؤں میں پڑ گئیں؟ تم غیروں کے پاس جاتے ہو تاکہ ٹھوکریں کھاؤ: پر خدا کے پاس نہیں دوڑتے تاکہ وہ تمہیں پیار کرے؟

اگر تم محبت کے بھوکے ہو تو "الرحمٰن الرحیم" سے بڑھ کر اور کون ہے جس کے عشق میں اُسے چھوڑ رہے ہو؟ اگر تم رزق کے بھوکے ہو۔ تو "رب العالمین" سے بڑھ کر اور کون ہے جس کے خزانوں کے لالچ نے تم کو متوالا کر دیا ہے؟ اگر تم اپنی محنت کی مزدوری مانگتے ہو۔ تو "مالک یوم الدین" سے بڑھ کر اور کون مل گیا ہے جو تمہیں بدلہ دے گا؟

مسلمانوں سے خطاب

تم کو آنکھیں دی گئی تھیں تو اس لیے تاکہ تم اس کو دیکھو، اگر تم کو دل دیا گیا تھا تو اس لیے تاکہ صرف اسی کو پیار کرو۔ اگر تم کو آنسو دیے گئے تھے تو اس لیے تاکہ صرف اسی کی یاد میں بہاؤ، اور اگر تمہاری پیشانی بلند کی گئی تھی تو اسی لیے تاکہ اس کے آگے جھکاؤ، پر آہ تمہاری زبانیں اس کے حمد کے زمزموں سے محروم ہوگئیں، تمہارے دل اس کی محبت کے نہ ہونے سے اُجڑ گئے۔ تمہاری روحوں میں اس کی چاہت کی جگہ غیروں کی چاہتیں بھر گئیں۔ تمہارے قدم اس کی طرف بڑھنے سے بوجھل ہو گئے۔ اور تمہاری آنکھوں میں اس کے عشق کے درد وغم کے لیے ایک قطرۂ اشک بھی نہ رہا۔

تمہاری مسجدیں تڑپ رہی ہیں کہ راستبازیوں کی تڑپتی ہوئی

اور مضطرب نمازیں ان کو نصیب ہوں اگر حیوانوں اور چار پایوں کے کھڑے رہتے اور اوندھے ہو جانے کے سوا دہاں اور کچھ نہیں ہوتا۔ حالاں کہ تمہارا خدا تمہارے کھڑے رہنے اور اوندھے گر پڑنے کا بھوکا نہیں، اور اگر صرف پاؤں کو کھڑا رکھنا ہی عبادت ہوتا تو جنگلوں کے درختوں سے زیادہ تم کھڑے نہیں رہ سکتے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ	ان نمازیوں پر افسوس ہے جنہیں یہ
الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ	خبر نہیں کہ ہم اپنی نمازیں کیا کرتے ہیں۔
صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔	(۱۰۷ - ۵)
وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى	اور جب یہ نماز گذارنے کے لیے کھڑے
الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى	ہوتے ہیں محض لوگوں کو دکھانے کے لیے
يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا	نماز پڑھتے ہیں۔ اور اللہ کا ذکر نہیں
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا	کرتے مگر برائے نام۔
قَلِيْلًا ط	( )

بہت کچھ ہو چکا، اب بھی چھوڑ دو۔ آہ! بہت سو چکے۔ اب بھی چونک اٹھو۔ بہت گم ہو چکے۔ اب بھی اپنے کو پا لو۔ خدا نے تم کو وہ مہلت دی ہے جس سے بڑھ کر آج تک زمین کی کسی مخلوق کو بھی مہلت نہ دی گئی۔ پھر نہ ہو کہ وہ تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے۔ اور تمہاری جگہ

کسی اور کو اپنی چاہتوں کی شاہنشاہی اور اپنی محبت کا تاج و تخت دیدے جیسا کہ اس نے ہمیشہ کیا ہے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو	اور تمہارا پروردگار بے پرواہ اور
الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَّشَأْ	فیاض ہے اگر وہ چاہے گا۔ تو تم سے
يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ	اپنا رشتہ کاٹ لے گا اور تمہارے بعد
مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ	کسی دوسری جماعت کو کھڑا کر دے گا
كَمَآ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ	جس طرح کہ خود تم کو دوسروں میں سے
قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ؕ	اس نے منتخب کیا تھا۔

اگر تم کو اپنا مال و متاع خدا سے زیادہ محبوب ہے کہ اُسے نہ دوگے اور اپنی جانوں کو اس کی محبت سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے ہو کہ اس کے لیے دکھ میں نہ ڈالوگے۔ اور اگر تمہارے دلوں کی آہیں، تمہارے جگر کی ٹیسیں اور تمہاری آنکھوں کے آنسو اب اس کے لیے نہیں رہے ہیں بلکہ دوسروں کا مال ہو گئے ہیں، تو یقین کرو کہ وہ بھی تمہارا محتاج نہیں ہے اور اس کی کائنات انسانوں سے بھری پڑی ہے۔

وہ اگر چاہے گا تو اپنے کلمۂ حق کی خدمت کے لیے درختوں کو چلا دے گا، پہاڑوں کو متحرک کر دے گا۔ کنکروں اور خاک کے ذروں کے اندر سے صدائیں اُٹھنے لگیں گی۔ پر وہ فاسق اور نافرمان انسانوں سے

کبھی بھی کام نہ لے گا۔ اور اپنے پاک کام کی عزت کو ناپاکوں کی گندگی سے کبھی آلودہ نہ ہونے دے گا۔ اور پھر تم مانو یا نہ مانو مگر میں نے سچ مچ دیکھا کہ جب تمہارے اندر سے اس کی پکار کو جواب نہ ملا تو وہ دوسروں کو پیار اور محبت کے ہاتھوں سے اشارہ کر رہا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے مسلمانو! تم میں سے جو شخص
مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ	دین حق کی راہ سے پھر جائے۔ سو
دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ	اسے یقین کرنا چاہیے کہ خدا اپنے کلمۂ
بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ	حق کے لیے اس کا محتاج نہیں ہے
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	قریب ہے کہ وہ ایک دوسری قوم کو نمایاں
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	کرے جو اللہ کو چاہنے والی ہوگی اور اللہ اسے
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	پیار کرے گا وہ مومنوں کے آگے نہائت
اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ	عاجز و نرم ہونگے پر دشمنان حق کے لیے
لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ	نہائت مغرور سرکش۔ اللہ کی راہ میں بے خوف
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ	مجاہد ہونگے اور کسی الزام دینے والے کے الزام
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝	کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا بڑا ہی فضل

ہے۔ جس کو چاہے اپنے فضل کے لیے چن لے۔ وہ اپنے فضل میں بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے +

ایمان اور نفس کا عشق

متضاد مناظر کا کچھ عجیب عالم ہے۔ جس کو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں۔ ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے، اور سورج کی روشنی کی طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کے لیے منتظر و مستعد ہے۔ دوسری طرف کام کرنے والوں کی جماعت ہے۔ اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں، اس پر اب تک وہی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاری نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاری رہ چکا ہے۔ اب تک مقاصد سے اعراض ہے اور وسائل میں انہماک اب تک حقیقی مصلحت بینی اور حیلہ جوئی و بہانہ سازی میں امتیاز کی راہ مسدود ہے۔ اور عزم و یقین کی جگہ ظن و شک اور خوف و ہراس کی حکومت قائم ہے۔ زبانوں کی لکنت گو دور ہو چکی، اور شائد چہروں کا ہراس بھی جاتا رہا۔ لیکن دلوں کی دہشت بدستور باقی ہے۔ اور ایمان کی کمزوری نے اب تک روحوں کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ زبانیں جس قدر تیز ہیں قدم میں اتنی تیزی نہیں ہے۔ اور اعلان جس قدر بلند آہنگی اور رعد آسائی رکھتا ہے عمل میں اس قدر بلند پیمائی نظر نہیں

آتی ۔نیند گو ٹوٹ چکی۔ اور شاید خفتگانِ بستر غفلت کروٹیں بھی بدل چکے لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقی ہے۔ اور دھواں بڑھتا جاتا ہے لیکن شعلوں کی چمک کہیں نظر نہیں آتی۔ اگرچہ خدا کے مقدس نام کی تقدیس سے اب کوئی زبان ناآشنا نہیں رہی۔ لیکن دلوں میں خدا کے ساتھ انسانوں کا ڈر ایمان کے ساتھ نفس کا عشق بھی باقی ہے

وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا — اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں اُمور

بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا (۴-۱۴۹) — کے بین بین کوئی تیسری راہ اختیار کریں۔

حالاں کہ تیسری راہ اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں۔ راہیں صرف دو ہی ہیں۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ۔ حضرت مسیحؑ نے کہا ہے "ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کر سکتا"۔ قرآن کا بھی فیصلہ یہی ہے۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ (۳۳-۴) یعنی سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔

جزئیات کا فتنہ

"افسوس جزئیات مزعومہ عقائد کے غرور باطل نے مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچایا کسی چیز نے نہیں پہنچایا۔ عمل صالح کی اہمیت بالکل جاتی رہی اور سارا دار و مدار چند مزعومہ عقائد پر آ کر رہ گیا۔ ایک

شخص صرف اس غرور میں کہ میں الف سے لے کر یے تک ٹھیک ٹھیک عقائد نسفی کا مجسمہ ہوں، تمام مسلمانوں کو حقیر و گمراہ کہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ عمل اور ایثار و محبت فی اللہ کوئی شے نہیں۔ ایک شخص تقوی و طہارت میں کتنا ہی اصلح ہو لیکن کسی ایک جزئی و ضمنی عقیدہ میں بھی مخالف ہوا تو اس کی ساری عمر کی کمائی رائیگاں گئی۔ اور باوجود عمر بھر کے ایمان و عمل صالح کے کافر ہی کا فر رہا۔ جب کلمہ کے ایک بار اقرار کر لینے سے ابوسفیان اعدیٰ عدوئے اسلام اور وحشی قاتل حمزہ کا خون حرام ہو گیا تھا۔ اور اگر ابوجہل بھی اقرار کر لیتا تو اس کی ساری عمر کا کفر و طغیان محو ہو جاتا۔ آج ساری عمر اس کے ایمان و عمل میں بسر کر دیجیے لیکن پھر بھی مومنوں کے گروہ میں شمار ہونے کا حق حاصل نہیں کر سکتے۔ افسوس تیرہ سو برس گذر گئے مگر کفر و ایمان کی گتھی آج تک نہ سلجھی۔

مسلمانوں کی آئندہ شاہراہِ مقصود کیا ہونی چاہیے؟

مسلمانوں کے لیے تمام عالم میں صرف ایک ہی ہاتھ ہے۔ جو راہ نما ہو سکتا ہے اور ایک ہی چشم نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے۔ وہی ہے جو کبھی کوہِ سینا پر تجلی حق بن کر چمکی، اور کبھی غارِ ان پر ابر رحمت بن کر نمودار ہوئی۔ کبھی خانہ ثور میں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کی

صدا میں تھی کبھی بدر کے کنارے اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ
کے پیغام میں تھی۔ کبھی اُحد کے دامن میں وَمَا کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ
الْمُؤْمِنِیْنَ کی بشارت تھی اور آج بھی ایک لٹے ہوئے کاروان، ایک
برباد شدہ قافلے اور ایک برہم شدہ انجمن کے لیے امید کا آخری سہارا
اور زندگی کی آخری روشنی ہے:-

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ	کون ہے کہ جب ایک مضطر اور بے
اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ	قرار روح اس کو پکارتی ہے تو اس کی فریاد کو
وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ	سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا	اور کون ہے کہ اس نے تم کو زمین پر اپنا نائب
مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ	بنایا اور اس کی وراثت بخشی کیا خدا کے سوا کوئی
یَّهْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ	اور ہے؟ پھر بتلاؤ کون ہے جو خشکی اور تری
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ	کی تاریکیوں میں ہدایت کرتا ہے اور باراں
یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا	رحمت سے پہلے ہواؤں کو بشارت
بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ	بھیج دیتا ہے۔ کیا خدا کے سوا کوئی
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَی	دوسرا ہے؟
اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝	(۲۷ : ۶۲ - ۶۳)

دنیا میں جب کبھی کسی بنی آدم نے اصلاح حیات کی کوئی منزل طے

کی ہے، تو صرف اسی ہاتھ کی راہ نمائی ہے، اور جو اس کی راہ نمائی میں آگیا، پھر اس کے لیے گمراہی نہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ	خدا جب کسی شخص کو راہ راست پر
يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ	چلانا چاہتا ہے تو اس کا دل اسلام کے
لِلْاِسْلَامِ	لیے کھول دیتا ہے۔
اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ	اور جس کا دل کھول دیا گیا۔ تو
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ	پھر وہ اپنے پروردگار کی روشن کی ہوئی
عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ	شمع ہدائت اپنے سامنے پاتا ہے گر
لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ	افسوس ان لوگوں پر جن کے دل ذکر الٰہی
ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (۲۹ : ۴۲)	سے غافل ہو کر سخت ہو گئے۔

اولین اور بنیادی مسئلہ:۔ سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اس تغیر خیالات کا منشا کیا ہے؟ اور رُخ کس طرف ہونا چاہیے۔ ہم کو نہائت رنج اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس لحاظ سے موجودہ تغیرات خیال کا منظر زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے ہم صاف صاف بہ آواز بلند کہہ دیتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنی قدیمی پالیسی کو صرف اس لیے چھوڑتے ہیں کہ تنسیخ بنگال، اور مسلم یونیورسٹی کی وجہ سے وہ گورنمنٹ سے روٹھ گئے ہیں۔ یا یہ تغیر صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ آزاد خیال ہندوؤں کی

دیکھا دیکھی اب مسلمان بھی پالٹیکس! پالٹیکس! پکارنے کے لیے
مضطرب ہیں، تو وہ یاد رکھیں کہ اس نئے تغیر اور انقلاب میں ان کے لیے
کوئی برکت نہیں ہے، بہتر ہے کہ اب تک جہاں پڑے سسک
رہے تھے، وہیں بقیہ ایام ذلت و خواری اور کاٹ دیں۔ تاریکی ہی
میں رہنا ہے، تو پھر اس سے کیا بحث کہ وہ کوئی گڑھا ہے یا عمدہ بنایا
ہوا تہ خانہ؟ آج تک ان کی تمام ناکامیوں کی علت حقیقی یہ رہی ہے
کہ انہوں نے اپنے اعمال زندگی کی کسی شاخ کو "سلطان قرآن" کے ماتحت
نہیں رکھا۔ اور جب کبھی کوئی تحریک شروع کی، یا اپنے لیے کسی پالیسی
کا پروگرام مرتب کیا، تو قرآن کریم کو اس طرح بھولے رہے گویا اس
کا نزول تاریخ عالم کا کوئی واقعہ ہے ہی نہیں، اور یہ بھی سچ نہیں کہ وہ
اس نام کی کسی کتاب کے پیرو ہیں۔ اگر مسلمان اس تغیر کے بعد پھر بھی
اس گمراہی میں پڑنا چاہتے ہیں تو یہ ایک دلدل سے نکل کر دوسری
دلدل میں پھنسنا۔ اور ایک دام سے نجات پا کر دوسرے میں گرفتار ہونا
ہوگا۔ پھر اگر گمراہیوں کے قفس ہی میں ہمیشہ مقید رہنا ہے تو موجودہ قفس
میں کون سی برائی ہے کہ نئے پنجرے کی جستجو کی جائے۔ بے شک تقسیم
بنگال کی تنسیخ اور یونیورسٹی کا مسئلہ ہمارے جمود و غفلت کے لیے
ایک تازیانہ تنبیہ ضرور ہے۔ اور ہم یقیناً شر الدواب عند اللہ ہوں گے

اگر اس سے عبرت نہ پکڑیں۔ لیکن ہماری آئندہ پالیسی کی بنیاد کوئی وقتی یا فوری واقعہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک مستقل اور دائمی اعتقاد ہونا چاہیے جو اپنے قیام کے لیے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہ ہو۔ فرض کیجیے کہ کل گورنمنٹ نے پھر بنگال کے دو نہیں بلکہ دس ٹکڑے کر دیے۔ اور وزیر ہند نے اعلان کر دیا کہ یونیورسٹی کا نام علی گڈھ نہیں بلکہ مسلم ہوگا۔ کیونکہ جو گورنمنٹ ایک مرتبہ تقسیم کر کے اسے منسوخ کر سکتی ہے۔ وہ اب سب کچھ کر سکتی ہے۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمانوں کی پالیسی پر ایک تیسرا انقلاب طاری ہو جائے گا؟ اور پھر تغیر! تغیر! کی صدا بلند کی جانے لگی؟ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کا کوئی عقیدہ، کوئی خیال، کوئی مقصود، کوئی نصب العین اور کوئی پالیسی نہیں۔ آپ صرف گورنمنٹ کے چشم و ابرو کی حرکت کا نام ہیں اور صرف اسی کو تکتے رہتے ہیں اگر مصلحتاً لطف و مہر کی علامتیں نمایاں ہوئیں تو سمعنا و اطعنا کہہ کر سربسجود ہو گئے۔ اور اگر مصلحت نے گوشۂ چشم رقیبوں کی طرف پھیر دیا تو لگے منہ بسورنے اور آنسو بہانے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس بھی کوئی شئے ہے یا نہیں؟

ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے نہیں۔ بلکہ پیشتر سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ

پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہ ضلالت سے الگ رہنے کا انہیں الاؤنس دینا چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے سامنے بھی ہندوؤں کی پولیٹیکل جدوجہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے۔ وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہےٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سیکھ جائیں۔ بے شک ہمارے عقیدے میں بھی آج کل مسلمانوں کے لیے عبرت اور تنبیہہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے۔

اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی، لیکن پیروانِ "امام مبین" کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمال زندگی کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور و لاچار ہو گیا ہو اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انہیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی بچی ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے۔ اگر ایسا ہی ہے، تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ دنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے یا بستر نزع پر سورۂ یٰسین کو دہرا دینے ہی کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک اسلام کے دامنِ تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں

سے لیں۔ اس بارے میں ہمارے خیالات الحمدللہ عام خیالات کی سطح سے بہت بلند ہیں۔ اور گو موقع نہیں مگر ضمناً ان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات وصفات میں "وحدہٗ لاشریک" ہے کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں. اسی طرح کا "قرآن کریم" اپنی جامعیت اور کمال تعلیم میں "وحدہٗ لاشریک" ہے اور بالکل اسی طرح اس کا لانے والا رسول کمال انسانیت و تعبد اور قوائے نبوت واصلاح میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے' ان کی صفات وخصائص میں کوئی اُن کا شریک نہیں۔

"راہ نسبت طلبی ہیں کہ چہ شایاں رفتم"

پس ضرور ہے کہ جو اُمت اُس خدائے واحد' اس قرآن واحد اور اس رسول واحد کے دامن تعلیم سے وابستہ ہو' وہ بھی اپنے اندر اس شان وحدت و یکتائی کا جلوہ رکھے ۔ وہ بھی اپنے اعمال زندگی کی ہر شاخ میں "وحدہٗ لاشریک" ہو۔ اس کے اعمال وخصائص بھی "من رأنی فقد رأ الحق" کی صدائے استحاد سے غلغلہ انداز عالم ہوں۔ تمام دنیا کی قومیں اس کے اعمال کا اتباع کریں۔ زندگی کے ہر حسن وجمال میں اس کے خال وخط مرقع عالم کے لیے نمونہ بنیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کے یہی معنی ہیں اور اسی لیے

مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	مسلمانو! اگر تم اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا
إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ	کر کے متقی بن جاؤ گے تو تمہارے لیے تمام دنیا میں
فُرْقَانًا ۔ (۸ : ۲۹)	ایک خاص امتیاز اور خصوصیت پیدا کر دے گا۔

جس قوم کو اس صدائے الٰہی نے مخاطب بنایا ہو، اس کے لیے اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر شاخ میں غیروں کے لیے نمونہ بننے کی جگہ خود دوسروں کو اپنا کعبۂ مقصود اور قبلۂ آمال بنا رہی ہے؟ سیاسی بحث تو ختمی ہے۔ ہمارا اصلی ماتم صرف اتنے ہی پر موقوف نہیں۔ ہم کو تو یہ نظر آ رہا ہے کہ آج مسلمانوں کے لیے تعلیم، اخلاق، معاشرت، سیاست، بلکہ مدنی زندگی کی ہر شاخ میں ان کے لیڈر صرف اسی کو فرض رہنمائی سمجھتے ہیں کہ ان کے آگے دوسری قوموں کے اعمال پیش کریں۔ تہذیب و انسانیت کی ضرورت ہو تو مسلمان یورپ کی شاگردی کریں۔ پولیٹیکل آزادی کی ضرورت ہے تو اپنی ہمسایہ قوموں سے بھیک مانگیں پھر ہمیں بتلایا جائے کہ خود بدبخت مسلمانوں کے پاس بھی کچھ ہے یا نہیں؟ جو مسلمانوں کے رہنما قوم کے جلب قلوب کے لیے مذہب کے ذکر کو ناگزیر دیکھ کر اپنے شاندار اسٹیجوں پر مذہب! مذہب! اور اسلام! اسلام! پکارتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ خود ان کی زندگی میں اس اسلام کا اثر کہاں۔

تک موجود ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے کبھی قوم کو یہ بھی بتلایا ہے
کہ زندگی کی ہر شاخ میں خود اسلام کا نمونہ کیا ہے؟ اور اگر نہیں بتلایا ہے
تو قوم کے لیے ایک مسیحی رہنما اور ایک مسلمان لیڈر میں کیا فرق ہے؟ سچ
یہ ہے کہ وہ غریب خود جس متاع سے تہی دست ہیں، دوسروں کے آگے
کیا سبق پیش کریں گے؟

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یہی بنیادی گمراہی ہے۔ جس نے جسم ملّت کی ریڑھ کی ہڈی تک کو
گھلا دیا ہے۔ مسلمان اگر مسلمان ہوتے تو سمجھتے کہ ان کے لیے خود ان
کے سوا دنیا میں اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الحقیقت دنیا کی کسی
قوم کے پاس کوئی عمدہ خیال، واقعی سچائی، اور کوئی اچھا عمل پایا جاتا
ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ بدرجۂ اولیٰ اسلام میں موجود ہے۔ اور اگر
نہیں ہے تو اس کی اچھائی بھی قابل تسلیم نہیں۔ اسلام کے معنی کی
اصلی وسعت سے دنیا بے خبر ہے۔ اسلام تو اعتقاد و عمل کی ہر صداقت
اور کائنات کے ہر حسن و جمال کا نام ہے۔ جہاں کہیں صداقت اور جمال
موجود ہے، یقین کرنا چاہیے کہ وہ اسلام ہے، گو دنیا کو اس کی خبر نہ ہو۔

واللہ در ما قال

عباراتنا شتی و حسنک واحد   و کل الی ذلک الجمال یشیر

اللہ، اللہ، خدا تو مسلمانوں سے چاہتا ہے کہ مجھ کو نمونہ بناؤ، اور میری صفات کاملہ سے مشابہت پیدا کرو۔ (تخلقوا باخلاق اللہ) اور آج مسلمان ہیں کہ انسانوں کو اپنا اسوۂ حسنہ بناتے ہیں کہ (تخلقوا باخلاق الافرنج) اور اگر کوئی ان کی نقالی بن آتی ہے۔ تو "انا الافرنج" کا نعرہ لگا کر اس قدر نازاں ہوتے ہیں کہ حسین بن منصور کو "انا الحق" پر بھی اتنا ناز نہ ہوگا۔!!

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان جس قدر اصلاح کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، اتنا ہی ضلالت ان سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ وہ جس قدر ترقی! ترقی! پکارتے ہیں، اتنی ہی تنزل! تنزل! کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ گویا دلدل میں پھنس گئے ہیں، جس قدر زور کرتے ہیں، اتنا ہی پاؤں اور دھنسا جاتا ہے، یا ان کے رشتۂ فلاح میں بدبختی کی گرہ پکڑ گئی ہے۔ جس قدر کھینچتے ہیں، اتنی ہی وہ اور زیادہ کسی جاتی ہے:۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۠ (۲۴ : ۴۰)

جو قوم خدا سے اپنا رشتہ کاٹ دیتی ہے، اور اس کے فرمان و احکام سے روگردانی کرتی ہے، اس کے اعمال نورالٰہی سے خالی ہو جاتے ہیں۔ اس پر ضلالت و گمراہی کا ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کو اپنا مرکب بنا کر اس کے گلے میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال دیتا ہے:-

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ	اور جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی
ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ	کرتا ہے ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان
لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ	متعین کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ
قَرِيْنٌ ٥ (۴۳ - ۲۶)	رہتا ہے

پھر وہ یکسر گمراہی اور ضلالت ہو جاتی ہے، اس کی زندگی ناکامی و نامرادی کی تصویر بن جاتی ہے۔ وہ طلب مقصود میں آوارہ گردی کرتی ہے مگر چونکہ مقصود تک پہنچانے والے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہیں ہوتا اس لیے کبھی مقصود تک نہیں پہنچتی۔ مسلمانوں کے تمام ترقی کے ولولوں اور اصلاح کی کوششوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے۔ نامرادی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں۔ ان کے لیڈر پانی کو ڈھونڈتے ہیں، مگر دوڑتے ہیں ریگزار کی طرف:-

اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ	ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے

بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ — چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہوتا
الظَّمْاٰنُ مَآءً ط حَتّٰٓی — ہے کہ پیاسا دور سے اس کو پانی
اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ — سمجھ کر چلا۔ مگر جب پاس آیا تو کچھ بھی
شَيْئًا (۲۴ : ۳۹) — نہ تھا۔

پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر، ہندو یا مسیحی بن کر نہیں۔ آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر یہ بھی ہے کہ فرض کر لیجیے کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑی، جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے؟

مسلمانوں کا نصب العین کیا ہونا چاہیے:۔ پالٹیکس جس کی طرف اب مدتوں کی غفلت کے بعد مسلمانوں نے شیفتگی کی نظر اٹھائی ہے، قومی زندگی کے اعمال کا ایک سب سے بڑا شعبہ ہے۔ لیکن ہم اسے مسلمانوں کے لیے کوئی اصلی اور بنیادی شے نہیں سمجھتے۔ اور قوموں کے لیے اگر سیاست ان کے تمام اعمال کی بنیاد ہے تو اس لیے کہ زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لیے وہ سیاسی جذبات سے ایک گرم انگیٹھی

کا کام لیتے ہیں۔ لیکن جس قوم کے پاس ایک شعلہ فشاں آتش کدہ موجود ہو، اُسے انگیٹھی کی کیا ضرورت ہے؟ جب تنور گرم ہو جاتا ہے تو بہت سی انگیٹھیاں اس سے گرم کر لی جا سکتی ہیں۔ لیکن انگیٹھی تنور کا کام نہیں دے سکتی۔ اس وقت برسوں کے جمود نے کروٹ لی ہے۔ اور گویا انقلاب و تغیر کا ایک اچھا موسم مسلمانوں پر گذر رہا ہے۔ اس وقت جس چیز کی تخم ریزی کر دی جائے گی، آگے چل کر اسی کے پھل کو اپنے دامن میں دیکھ سکیں گے۔ پس اس بارے میں میری دعوت کا لبِّ لباب یہ ہے کہ مسلمان محض پالٹیکس ہی کو اپنا مقصود حقیقی نہ بنائیں۔ اور اس طرح ایک عمدہ موسم کو، جس میں وہ شائد ایک پورا باغ لگا سکتے ہیں، صرف ایک درخت ہی کے بونے میں ضائع نہ کر دیں۔ دوسری قوموں کی نظروں پر نظر رکھنا ان کے لیے کچھ سود مند نہیں ہو سکتا۔ ان کو صرف اپنے اوپر نظر رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ان کے پاس ایک شے ہے جو اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اور جس کو اپنا مقصود بنا کر وہ ان تمام چیزوں کو بھی بوجہ احسن و اکمل لے سکتے ہیں، جو اور قومیں حاصل کر رہی ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شے کو اپنا اصل مقصود اور نصب العین بنائیں۔ جس کی تلاش میں انہیں گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہمیشہ سے وہ خود ان کے گھر کے اندر موجود ہے یعنی صرف

اتباع دینِ مبین اور اعتصام بحبل اللہ المتین ان کے لیے اُن کے خدا کی طرف سے ایک دائمی مقرر کردہ نصب العین ہے۔ اور ایک مسلم ہستی کے لیے اس کے سوا کوئی مقصودِ حقیقی نہیں ہو سکتا۔ نہ پالٹیکس، نہ تعلیم، نہ اخلاق اور نہ معاشرت، کیونکہ زمین پر جس قدر "کمال" اور "جمال" ہے، وہ سب اس سے ہے۔ یہ چیز کسی چیز سے نہیں۔ دنیا میں جس قدر خوبیاں اور محاسن ہیں سب اس کے نیچے ہیں۔ کیونکہ اس کے اوپر الوہیت کے درجے کے سوا اور کوئی درجہ نہیں۔ دنیا میں جس وقت سے انسانی ہدائت و شقاوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، صرف یہی ایک صراطِ مستقیم اور ملتِ قویم، تمام انسانی فلاح و اصلاح کا وحدہٗ لاشریک وسیلہ رہی ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا	اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی
هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى	یا عیسائی بن جاؤ تو ہدائت پاؤ گے (یعنے
تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ	اسلام کے سوا اور طریقے اختیار کرو) اے
مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ	پیغمبرؐ! کہہ دے کہ کبھی نہیں۔ ہمارے لیے تو
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	صرف ابراہیمؑ کی ملت کا طریقہ ہدائت ہے
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ	اور اے مسلمانو! تم بھی کہہ دو کہ ہمارا طریق
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ	یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قرآن
اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ	پر جو ہم پر اترا، اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ	اسمٰعیل اسحاق یعقوب اور اولاد یعقوب
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ	پر اُتری اور موسیٰ وعیسیٰ کو جو تعلیم دی
وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ	گئی، اور انہیں پر موقوف نہیں بلکہ دراصل
عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ	اور تمام پیغمبروں اور رسولوں کو ان کے
النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ	پروردگار کی طرف سے جو تعلیم دی گئی ان
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ	سب کی تعلیم ایک ہی طریق اسلام کی تھی
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ	پس ہم ان میں کوئی تفریق اور امتیاز
مُسْلِمُوْنَ ۝	نہیں کرتے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔

ترجوا النجاة ولم تسلك مسالكها
ان السفينة لا تجري على اليبس

اگر مسلمانوں نے اپنے لیے ایک نہایت آزادانہ پولیٹیکل پالیسی تیار کرلی، کانگریس سے بہتر ایک پروگرام اُن کے ہاتھ میں ہوا، آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بھی بڑھ کر جوش اور سرگرمی پیدا کرلی، پالٹیکس میں وہ از سرتاپا غرق ہو گئے، ان کا ہر فرد گلیڈاسٹون اور مارلے ہو گیا، لیکن ساتھ ہی اگر انہوں نے اپنے معتقدات اور اعمال کے اندر اسلام کی عملی روح پیدا نہ کی، اپنے تئیں دین الٰہی کی سلطنت کے ماتحت داخل نہ کیا، اور خشیۃ الٰہی اور زاد تقویٰ سے محروم رہے، تو میں اُس یقین کی لازوال طاقت

کے ساتھ جس کے لیے کبھی موت اور شکست نہیں، اس بصیرت الٰہی کے ساتھ جس میں کبھی تذلذل اور تذبذب نہیں، از سرتا پا صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں کہ اگر آگ جلاتی، اور پانی ڈباتا ہے، اگر آفتاب مشرق سے نمودار ہوتا، مگر مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے۔ اگر مچھلی خشکی میں، اور پرند دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا، اگر قوانین فطریہ اور نوامیس طبعیہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور اگر یہ سچ ہے کہ دو اور دو پانچ نہیں بلکہ ہمیشہ چار ہوتے ہیں، تو یہ بھی کبھی نہ مٹنے والی صداقت، اور صفحۂ کائنات پر نقش سنگی ہے کہ مسلمانوں کو یہ تمام زری سیاسی ہنگامہ آرائیاں، تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز، اور پولیٹیکل پالیسی کے تغیّر و تبدّل کا ہیجان طوفان اور ایک لمحہ، ایک دقیقہ، ایک عشر دقیقہ تک کے لیے بھی کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گا۔ ان کی تمام جدوجہد بے کار ہو جائے گی۔ تغیر کا ابر ان پر سے بغیر ایک قطرہ بارش کے گذر جائے گا۔ ان کی امیدوں کی خشک سالی بدستور باقی رہے گی، وہ جس قدر سعی رہائی کریں گے اتنا ہی چاروں طرف کی لپٹی ہوئی زنجیروں کی بندش سخت تر ہو جائے گی، گمراہی وضلالت کا شیطان کبھی اُن سے الگ نہ ہوگا۔ ان کے گلوں میں جو طوق مذلّت، اور پاؤں میں جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہوئی ہے وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی۔ جہالت وضلالت، اُسر و غلامی، ذلّت و خواری کی

صفوں میں ہمیشہ محصور رہیں گے اور دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی اُن کو قومی عزت کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہو گا۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ	اور جھکنے کی جگہ غرور سے اکڑ بیٹھے تو یاد رکھو
اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا	کہ ان کے لیے نہ تو آسمانوں کے دروازے
تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ	کھلیں گے اور نہ بہشت کی زندگی انہیں
السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ	نصیب ہو گی۔ ہاں اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ
الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ	سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گذر جائے
الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ	تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہماری آیات کو
وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي	جھٹلا کر پھر فلاح و برکت بھی حاصل کر سکیں
الْمُجْرِمِيْنَ	اور مجرموں کی یہی سزا ہے۔

میں نے کہا کہ "اگر آگ جلاتی اور پانی ڈباتا ہے"۔ نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے اور پانی نہ ڈبائے، مگر یہ تو کسی طرح ممکن نہیں کہ خدا کا وہ قانون شقاوت و ہدایت بدل جائے۔

جس کے لیے ابتدائے خلقت بنی آدم سے آج تک تاریخ میں کوئی منتہیٰ شہادت موجود نہیں۔ یہ میں لکھ رہا ہوں اور میرے اندر

یقین اور اعتقاد کی ایک آواز بے چین و مضطرب ہے، مگر افسوس کہ اس کی ترجمانی کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے، حیران ہوں کہ کیوں کر، اور کن لفظوں میں اپنا دلی یقین آپ کے دلوں میں بھی پیدا کر دوں؛ تاہم میں یہ کہنے سے بھی نہ تھکوں گا کہ جن احکام اسلام کو آپ نہایت بے پروائی سے ایک مذہبی بندش کہہ کر گذر جاتے ہیں، وہ بندش تو ضرور ہے۔ مگر ایک ایسے قانون کی بندش ہے، جس کی سلطنت تمام قوانین مادیہ کے نظام حکومت سے بالاتر اور وراء الوریٰ ہے۔ اور نظم کائنات کے تمام اجزاء اسی بندش سے بندھ کر مرتب اور منظم ہوتے ہیں۔ یہی بندش ہے کہ لسان الٰہی نے اس کو کہیں "حدود اللہ" کے لفظ سے یاد کیا ہے، کہیں "سنۃ اللہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کہیں "فطرۃ اللہ" اس کا نام رکھا ہے۔ کہیں "صراط مستقیم" کہا ہے، اور کبھی "دین قیم" کے خطاب سے یاد کیا ہے، وہ فی الحقیقت ایک ربّانی حکومت کا انتظام ہے، اور جب کوئی فرد یا قوم اس کے تحت و تسلط سے نکلنا چاہتی ہے تو وہ گویا خدا کے ساتھ اعلان کر دیتی ہے۔ پھر اس کی زندگی اور زندگی کے تمام اعمال یکسر بغاوت اور سرکشی ہو جاتے ہیں، اور وہ رحمانی سلطنت سے نکل کر شیطانی حکومت میں داخل ہو جاتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۵ (۸۲ : ۶)۔

خدا کہتا ہے کہ "اے انسان حقیر! بتلا کہ کس چیز نے تجھ کو اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنے رب کریم سے بغاوت کر دے"؟

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باغی انسان کو کوئی گورنمنٹ پناہ نہیں دے سکتی اسی طرح رب السماوات والارض کی بغاوت اور قانون شکنی کے بعد بھی کائنات کا ہر دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے کسی سعی میں وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اور کوئی کوشش اس کی فلاح یاب نہیں ہوتی۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ	جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسری
الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ	تعلیم کو تلاش کرے گا۔ اس کی سعی و تلاش
يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي	کبھی مقبول نہ ہوگی۔ اور اس کے تمام کاموں
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہی ہے۔

قرآن مجید نے اُمم سابقہ و اقوام پیش کا تذکرہ بار بار کیا ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ اس "قانون ہدائت و شقاوت" کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائی جائے۔ جا بجا ان اقوام متمدنہ منظمہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو آنے والی اقوام سے زیادہ قوی اور مستحکم تمدن رکھتی تھیں لیکن جب انہوں نے احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا، اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی، تو کوئی انسانی سعی و تلاش فلاح

ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکی۔ یہاں تک کہ آج ان کے آثار و اطلال بھی دنیا میں باقی نہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي	کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ	اگر پھرتے تو دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ	ہو گذری ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ یہ وہ قومیں
مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ	تھیں، جو ان سے تمدن و ترقیات اور قوائے
مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا	جسمانی میں بڑھ کر قوی تھیں۔ انہوں نے زمین
الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ	پر اپنے کاموں کے نشان اور جس قدر تم نے
اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ	اس کو متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ	انہوں نے تمدن پھیلایا لیکن جب ہمارے رسول
بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ	ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں اُن کو
اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ	دکھلائی گئیں تو انہوں نے سرکشی اور بغاوت سے
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ	جھٹلا دیا، اور برباد و فنا ہو گئے خدا ظلم کرنے والا
يَظْلِمُوْنَ ۝ (۳۰:۸)	نہ تھا۔ لیکن خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

یہی اسلام وہ قانون "حیات و ممات اقوام" ہے، جس کی طرف قرآن نے جا بجا اشارہ کیا ہے:-

مَآ اَصَابَ مِنْ	جتنی مصیبتیں اقوام و ملل پر نازل

مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۵۷:۲۲)

ہوتی ہیں اور جو خود تم پر نازل ہوئیں وہ سب ہم نے پہلے سے ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں (یعنی پہلے سے نہ بصورت ایک قانون منضبط کے موجود ہے) اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔

کائنات میں حیات وقیام صرف مسلم کے لیے

اور غور کیجیے تو یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے، جس کے لیے زیادہ دلائل آرائی مطلوب ہو۔ اور اگر مطلوب ہے تو اس لیے کہ دنیا میں آج اسلام کے پیرؤں کے لیے سب سے زیادہ اسلام کی دعوت معما ہو رہی ہے۔ اسلام تو فی الحقیقت ان قوائے فطریہ کے صحیح استعمال کا نام ہے جن کی حکومت سے دنیا کی کوئی شئے خارج نہیں۔ مچھلی کے لیے پانی میں تیرنا، پرندوں کے لیے ہوا میں اُڑنا، نباتات کا زمین میں نشو ونما پانا، اور انسان کا زمین کے اوپر رہنا، یہ سب چیزیں اسلام کے مفہوم حقیقی میں داخل ہیں۔ کیونکہ اس کا دوسرا نام "سنت اللہ" اور "فطرۃ اللہ" ہے۔ اور پھر کیا مچھلی پانی کی جگہ ہوا میں، پرند ہوا کی جگہ پانی میں، اور انسان زمین کو چھوڑ کر سمندروں میں زندہ رہ سکتا ہے؟ اگر نہیں رہ سکتا تو اس کے معنی یہ

ہیں کہ دنیا میں کوئی غیر مسلم ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حیات اور زندگی صرف مسلم کے لیے ہے۔ اور جو قومیں زندہ ہیں۔ گو اُن کو معلوم نہ ہو مگر ہم کو معلوم ہے کہ وہ اسلام ہی کے سرچشمے سے سیراب ہو رہی ہے یہ اپنی بدبختی ہے کہ پاس رہ کر بھی ہم تشنہ لب ہیں۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ	کیا وہ لوگ دین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور تعلیم
یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی	کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ اس
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	آسمان اور زمین میں کوئی نہیں جو چارو
طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ	ناچار اسی دین، اللہ کا مسلم یعنی حکم بردار
یُرْجَعُوْنَ۔ (۳:۱۴)	نہ ہو۔

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً :- پس باوجود اس کے کہ ہم پولیٹیکل زندگی کو حیات ملی کا ایک ضروری شعبہ سمجھتے ہیں، باوجود اس کے کہ ہمارے نزدیک کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اس کے اندر سیاسی جذبات مشتعل نہ ہوں، اور باوجود اس کے کہ ہم روز اول سے مسلمانان ہند کی ایک بڑی بدبختی یہ قرار دے رہے ہیں کہ ان کے لیڈروں نے غلامی و خوشامد کی داروئے بے ہوشی سے قوم کی قوم کو مرض النوم میں مبتلا کر دیا، ہم مسلمانوں کو کبھی یہ صلاح نہیں دیں گے کہ وہ صرف پولیٹیکل آزادی کے ولولے ہی کو پیدا کر کے اصلاح و تغیر

کی طرف سے فارغ البال ہو جائیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے لیے پولیٹیکل پالیسی کے تغیّر میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی اگر ان کے اندر مذہبی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ بخار کے مریض کے لیے ڈاکٹر کے آگے یہ سوال نہیں ہوتا کہ اس کا جسم گرم کیوں ہے؟ اور آنکھوں میں سُرخی کیوں ہے؟ بلکہ اس پر غور کرتا ہے کہ بخار کی تولید کی اصلی عِلّت کیا ہے؟ اگر آپ صرف مریض کی حرارت ہی کے شاکی ہیں تو زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں۔ ایک من برف منگوا کر اس کے ریزوں میں اُسے بٹھا دیجیے۔ امید ہے کہ سارا جسم ٹھنڈا ہو جائے گا۔

آپ کہتے ہیں کہ مسجد کا منارہ سیدھا نہیں، میں روتا ہوں کہ بنیاد ٹیڑھی ہے۔

آپ صرف پالٹیکس کیوں ڈھونڈتے ہیں؟ جب کہ ایک ایسی مضبوط اور لازوال کرسی آپ کو ملتی ہے۔ جس پر نہ صرف پالٹیکس بلکہ قومی زندگی کی عمارت کے تمام ستون کھڑے ہو سکتے ہیں اور ستون کے لیے کرسی ناگزیر ہے۔

مسلمانوں کے لیے اوّلین کام:۔ پس موجودہ تغیر کے بعد اب مسلمانوں کو سفر اسی منزل سے شروع کرنا چاہیے جو ان کے سفر کا قدرتی مبداء ہے۔ اور جہاں سے اُن کو پچھلا سفر شروع کرنا تھا۔ مگر انہوں

نے نہیں کیا۔ ان کو نہ تو پالیسی کی تلاش و جستجو میں وقت ضائع کرنا چاہیے
نہ اعلائے تعلیم کے افسانہ لامتناہی میں پڑنا چاہیے۔ نہ لیگ کے غلامانہ
اور موت آور پالٹیکس پر توجہ کرنی چاہیے اور نہ کانگریس کی رپورٹوں میں
اپنے لیے نسخہ فلاح ڈھونڈنا چاہیے۔ ان کو صرف ایک ہی کام کرنا چاہیے
یعنی بلا یہ سوچے ہوئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں، اپنا
ہاتھ دست الٰہی میں دے دینا چاہیے۔

"می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست"

نہ وہ پالٹیکس کو سوچیں اور نہ تعلیم کو، نہ آزادی کی مدح کریں اور نہ
غلامی کا طوق پہنیں۔ یہ باتیں ان کے سوچنے یا فیصلہ کرنے کی نہیں ہیں۔
ان کا فیصلہ خدا کو کرنا تھا اور اس نے کر لیا، ان کا کام صرف یہ ہے کہ
اتباع کلمات اللہ و جمیع ماجاء بہ القرآن کے لیے تیار ہو جائیں اور اپنے
تئیں تمام انسانی تعلیموں اور اقوام کے اتباع و محاکات کے ولولوں
سے خالی کر کے صرف ایک ہی معلم کی تعلیم پر چھوڑ دیں۔ اگر اسلام ان کو
پالٹیکس میں بلانا چاہے تو لبیک کہہ کے دوڑ جائیں۔ اگر وہ اس سے
اجتناب کی تعلیم دے تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ
کہے کہ غلامی اور خوشامد دو ہی چیزیں اصلی ذریعۂ فوز و فلاح ہیں تو سر سے
پاؤں تک غلامی کی زندگی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی اور

حقوق طلبی ہی ہیں قومی زندگی اور عزّت ہے، تو اُن کا وجود یکسر پیکر حریت وجہد حریت ہو جائے۔

اخلاق، تعلیم، تمدّن، شائستگی، اصلاح معاشرت، غرضکہ ایک متمدّن زندگی کے جتنے اجزا ہیں، اُن میں وہ جس طرف بلائے اسی طرف جھک جائیں۔ خود ان کی کوئی خواہش، کوئی ارادہ، کوئی تعلیم، کوئی پالیسی نہ ہو۔ اُن کی خواہش اور پالیسی صرف اتباع قرآن ہو، وہ اس تنکے کی طرح جس کو کسی بحر طوفان خیز میں ڈال دیا گیا ہو، اپنے تئیں تعلیم الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیں۔ جس طرف وہ چاہے، لے جائے، اور جس کنارے سے چاہے اُنہیں لگا دے۔ جب خدا ان کا تمام بوجھ اپنے سر لیتا ہے، تو وہ خود اپنے کندھوں کو کیوں تھکاتے ہیں؟ اگر مسلمانوں نے ایسا کر لیا۔ (اور وعدہ الٰہی ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا) تو وہ یاد رکھیں کہ آج جن چیزوں کے لیے بھٹک رہے ہیں اور نہیں ملتیں، اگر اُن کا مطلوب حقیقی یعنی اسلام ان کو مل گیا تو وہ خود بخود ان کے قدموں پر آ کر گر جائیں گی۔ ان میں سے ایک ایک کی تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں، وہ بہت گمراہ ہو چکے۔ جو سر عزت کی سر بلندی کے لیے بنا تھا، وہ بہت ٹھکرایا جا چکا۔ اب بھی سنبھل جائیں کہ خدا کا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھا ہوا ہے۔ وہ اُسے چھوڑ کر شیطان کے ہاتھ پر کیوں بیعت کرتے ہیں؟ ان

کے تمام اعضاء مردہ و غیر متحرک ہو رہے ہیں لیکن اس کے لیے سر میں تیل کی مالش یا تلوے کا سہلانا اصلی علاج نہیں ہے۔ ان کو رُوح کی ضرورت ہے۔ جس دن، جس آن، جس لمحے ان میں اسلام کی گمشدہ حرارت غریزی عود کر آئے گی اُسی وقت پاؤں کے انگوٹھے سے لیکر سر کے بالوں کی جڑ تک ان کا تمام جسم زندہ ہو جائے گا۔ ان کا اخلاق، ان کا تمدن، ان کی سوشل حالت، ان کی سوسائٹی کا نظام، اور سب سے آخر مگر سب سے پہلے یہ کہ ان کی پولٹیکل حالت، غرض کہ حیات ملی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا جو باحسن شکل و باکمل حال اُن کے پاس موجود نہ ہو جائے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ	اور جو شخص ہر طرف سے منہ موڑ کر
اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ	صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور ساتھ ہی اعمال
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ	حسنہ اختیار کیے تو بس یقین کیجیے کہ اس نے
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ	مضبوط رسی تھام لی۔ اور انجام کار اللہ ہی
اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	کے ہاتھ میں ہے۔

خلاصۂ مقاصد:۔ (۱) موجودہ تغیر خیالات ایک قیمتی فرصت ہے۔ اگر ایک دیوار ٹیڑھی کھڑی کر دی گئی ہو۔ اور آپ اس کے نقص کو محسوس بھی کر لیں، تاہم کسی بنی ہوئی چیز کا گرانا اور پھر از سر نو بنانا اُس درجہ

مشکل کام ہوتا ہے کہ ممکن ہے برسوں تک آپ کو نئی دیوار کھڑی کرنے کی مہلت نہ ملے۔ لیکن اگر طوفان یا بارش کے ناگہانی حملے سے خود بخود وہ گر جائے تو پھر آپ کو نئی دیوار بہر حال بنانی ہی پڑے گی۔ یہی حال مسلمانوں کی قدیمی پالیسی کا ہے۔ وہ خود بخود گر چکی ہے۔ نئی پالیسی کی دیوار بنانے کے لیے اب پچھلی دیوار کے گرانے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اب جو بنیاد رکھی جائے وہ درست ہو۔

(۲) مسلمانوں کے لیے ہر شئے ان کے مذہب میں ہے۔ پس اگر وہ آج کل پولیٹیکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جگہ اس شئے ہی کو کیوں نہ پیدا کر لیں، جو نہ صرف پالٹیکس بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کر دے؟

(۳) قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرائض بتلانے ہی کے لیے نازل نہیں ہوا، بلکہ وہ انسانوں کے لیے کامل و اکمل قانونِ فلاح ہے، جس سے انسانی زندگی کی کوئی شئے باہر نہیں۔ پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی، اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا۔ ان کے لیے کبھی موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔

(۴) مسلمانوں کا تمام کاروبار خدا سے ہے، اور خدا کے سوا جو کچھ ہے وہ ان کے لیے اصنام و طواغیت یعنی بتوں کا حکم رکھتا ہے، پس جب

تک خدا کے آگے نہیں جھکیں گے، دنیا کی کوئی چیز اُن کے آگے نہیں جھکے گی۔

(۵) ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیے۔ اور ساری طاقت اس میں صرف کرنی چاہیے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں۔ "اسلام" ہی ان کے لیے پالٹیکس کی راہ کھولے گا، تعلیم کا حکم دے گا۔ اخلاق و خصائل میں تبدیلی پیدا کرے گا، اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں۔ نقصانوں اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔

"هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا"

عدم تغیّر و استقلال رائے

ہم نے کسی گذشتہ اشاعت میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی ایک ایسی پولٹیکل پالیسی تیار کر لینی چاہیے جو کبھی متغیر نہ ہو اور جس کی بنیاد ایک محکم عقیدہ ہو، نہ کہ بعض خارجی اسباب، لیکن مذہب کے سوا اور کون سا اعتقاد ہو سکتا ہے، جو تغیّر و تبدّل سے محفوظ ہو، انسانی آرا و قیاس میں تغیر لازمی ہے۔ کیونکہ وہ ظنون و اوہام ہیں اور خارجی اسباب و علل کے تابع

لیکن احکام الٰہیہ کی پہلی پہچان یہ ہے کہ وہ ایسی یقینیات ہوں جن میں کبھی تغیر نہ ہو سکے اگر کوئی مذہبی حکم متغیر ہو سکتا ہے تو وہ اس کا مستحق ہی کب ہے کہ اس کو مذہب کے لفظ سے تعبیر کیا جائے ؟ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً۔

پس اگر مسلمانوں کی پولیٹیکل پالیسی اُن کے مذہبی اعتقاد پر مبنی ہوئی تو جب تک ان کے دلوں میں اسلام کا اعتقاد باقی ہے اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ان کے ہمسایوں کی پالیسی بدل جائے گی۔ مگر ان کی پالیسی بدل نہ سکے گی۔ کیونکہ جس رہنما کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہوگا" اس کی راہ ایک ہی ہے۔ اگر گورنمنٹ کی پالیسی میں تغیر ہو تو اس کا بھی اُن پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ انسانی حکومتوں کے اصول حکمرانی ہی نہیں بلکہ سرے سے حکومتیں بھی بدل جائیں تو بھی اسلام نہیں بدل سکتا"، اور اسلام نہیں بدل سکتا تو ہر اس سے ماخذ اور اس پر مبنی اعتقاد بھی نہیں بدل سکتا ؎

انسانی ضلالت کا اصلی مبدءٗ

ہر اصلاحی تحریک و دعوت کے لیے پہلی منزل "تقلید" کی بندشوں کو

توڑنا ہے، کیونکہ تقلید کے اہرمن سے بڑھ کر انسان کی تمام یزدانی
خصائل کا اور کوئی دشمن نہیں۔ انسانی اعمال کی جس قدر گمراہیاں ہیں،
ان سب کی تخم ریزی صرف تقلید ہی کی زمین میں ہوتی ہے۔ اس لیے
راہ اصلاح کا اوّلین منظریہ ہے کہ تقلید پرستی کے سلاسل واغلال سے
انسانوں کو نجات حاصل ہو، خدا تعالےٰ نے ہر انسانی دماغ کو سوچنے
والا، اور ہر آنکھ کو دیکھنے والا بنایا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ	کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لیے دو
عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّ	آنکھیں نہیں دیں؟ اور بولنے کے لیے زبان اور
شَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ	لبیں نہیں عطا کیں؟ اور پھر ہدائت وضلالت
النَّجْدَيْنِ (۹۰: ۸)	کی دونوں راہیں اس کے سامنے نہیں کھول دیں؟

اس لیے ہر انسان اپنی ہدائت وگمراہی کا ذمہ دار اور اپنے فکر و
دماغ سے کام لینے کے لیے خود مختار ہے۔ لیکن انسان کی تمام
قوتیں نشوونما کی محتاج ہیں، اور نشوونما نہیں ہو سکتیں، جب تک قوتوں
کو بغیر کسی سہارے کے خود ورزش کرنے کے لیے چھوڑ نہ دیا جائے۔
انسان چلنے کی قوت اپنے ساتھ لے کر آتا ہے، مگر بچے کو جب تک خود
کھڑا ہونے اور پاؤں پر زور دینے کے لیے چھوڑ نہ دیجیے گا، کبھی اس
کے پاؤں نہیں کھلیں گے۔ تقلید سے پہلی ہلاکت جو انسانی دماغ پر چھا

جاتی ہے۔ اور یہی ہے کہ انسان اپنے چند پیشواؤں اور مقتداؤں کی تعلیم
یا آباؤ اجداد کے طریق و رسوم پر اپنے تئیں چھوڑ دیتا ہے۔ اور صرف انہی
کا تعبد کرتے کرتے خود اپنی قوتوں سے کام لینے کی عادت بھول جاتا
اس عالم میں پہنچ کر اس کی حالت بالکل ایک چارپائے کی سی ہو جاتی
ہے، اور انسانی ادراک و تعقل کی تمام علامتیں مفقود ہونے لگتی ہیں۔
انسان کا اصلی شرف نوعی اور مابہ الامتیاز اس کے دماغ کا تدبر و تفکر اور
اجتہاد و تجسس ہے۔ دنیا میں جس قدر علوم و فنون کا انکشاف ہوا۔
قوانین الٰہیہ اور نوامیس نظریہ کے چہروں سے جس قدر پردے اُٹھے۔
اشیائے کائنات کے خواص کا جو کچھ سراغ لگا، تمدن و مصنوعات میں
جس درجہ ترقیاں ہوئیں، نئے نئے آلے اور نئے نئے وسائل راحت جس
قدر ایجاد ہوئے، غرض کہ انسان کے ارتقائے ذہنی و فکری کے جس قدر
کرشمے دنیا میں نظر آرہے ہیں، یہ تمام تر اسی انسانی تفکر و تدبر کے نتائج
ہیں۔ لیکن تقلید پرستی کی عادت ہلاکت و بربادی کی ایک چٹان ہے،
جو انسانی تفکر و تدبر اور ادراک و تعقل کی تمام قوتوں کو کچل ڈالتی ہے
اور اس کی قوت و نشو و نما کا دائمی سدّباب کر دیتی ہے۔ قرآن کریم جس
دعوت کو لے کر آیا، فی الحقیقت اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ تقلید اور
استبداد فکری کی زنجیروں سے انسان کو نجات دلائے بُت پرستی اور

انسان پرستی کی تمام شاخیں بھی اسی تقلید آبا و رسوم سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے قرآن نے اپنی تعلیم توحید کا اساس بھی انسان کی اجتہاد فکری پر رکھا اور تفکر پر زور دیا۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ	کیا لوگ اپنے دماغ سے قرآن پر
الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ	غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل
اَقْفَالُهَا۔	لگ گئے ہیں۔

مقلدین محض کو چارپایوں اور حیوانوں سے تشبیہ دی، اور پھر اس کو بھی اظہار ضلالت کے لیے ناکافی قرار دے کر ان سے بھی بدتر فرمایا:۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا	ان کے پاس دل و دماغ ہیں مگر نہیں
یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ	سمجھتے، آنکھیں ہیں پر نہیں دیکھتے، کان
لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ	ہیں مگر نہیں سنتے۔ خود اپنے ذہن سے کام
اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا	نہ لیتے، اور مقلد محض ہوتے ہیں وہ مثل
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ	چارپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی
هُمْ اَضَلُّ۔	گمراہ تر۔"

پس خواہ مذہبی اصلاح ہو یا اخلاقی، تمدنی ہو یا سیاسی، ہر راہ میں پہلا پتھر تقلید کا حائل ہو جاتا ہے، اور اگر یہ ہٹ جائے تو پھر آگے راہ صاف ہے۔

مسئلہ تجدید و احیاء دین

اور

مسئلہ قیامِ جماعت

"ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ہم ہر طرف
سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا
دستورالعمل بنالیں۔ شریعت کے کھوئے ہوئے
نظام کو از سرِ نو قائم واستوار کر دیں اور اس طرح
اِسلام کی مٹی ہوئی سُنتیں زندہ ہو جائیں۔ محض
مجلس آرائی و ہنگامہ سازی ہمارے لیے کچھ
سُود مند نہیں ہو سکتی"۔ (ابوالکلام)

فوز و فلاح کی منزل تصحیحِ اخلاصِ نیّت میں ہے

گذشتہ پچاس برس سے ہندوستان میں مختلف اغراض و مقاصد سے مجالس و اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اور جہاں ان کا وجود ہمارے تمام اجتماعی اعمال کے لیے بحکم شوریٰ ضروری ہے وہاں نیات و مقاصد کے لیے ایک نئی امتحان گاہ بھی پیدا ہو گئی ہے۔ ان مجالس میں شہرت کے ذرائع ہیں، ترفع کے مواقع ہیں، نمود و نمائش کے مطالع ہیں۔ ان میں تقریریں کی جاتی ہیں، جن کی تحسین میں نعرہ ہائے توصیف بلند ہوتے ہیں۔ ان کے عہدے اور مناصب ہیں، جن کے لیے امیدواروں میں منافست و مسابقت کی کش مکش ہے۔ ان کی صدارت و ریاست ہے، جس کی طمع بسا اوقات ہمارے اخلاص عمل پر غالب آ جاتی ہے پس ہم سب کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیے کہ اپنی اپنی نیتوں اور دلوں کا کامل

راست بازی کے ساتھ مراقبہ کریں اور ان مہلکات راہ سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوں، ہمارا مقصد نہائت عظیم ہے اور ہم نے ادار فرض اور خدمتِ انسانی کی ایک ایسی راہ میں قدم رکھا ہے جس سے بڑھ کر ذمہ داری کی انسان کے لیے کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے کندھوں پر اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی نیابت کا مقدس بوجھ ہے اور ہمارے سامنے حق کی شہادت اور امت مرحومہ کی احیار و تجدید کا عظیم الشان کام ہے، حیف ہے اگر ایسے مقدس کام اور پاک کام میں بھی اپنی نیتوں کو پاک نہ رکھ سکیں، اور اغراض واہوار کی ایک ادنی کدورت بھی ہمارے دلوں کو ملوث کر سکے۔ پس ہر حال میں پہلا کام تصحیح و اخلاص نیت کا ہے، جب تک اس اوّلین منزل سے قدم کامیاب نہ گزر جائیں گے، فوز و فلاح کی کوئی منزل رونما نہیں ہو سکتی۔

دوسری شرط اس راہ کی صحت عمل ہے۔ صحت عمل سے مقصود یہ ہے کہ جب ارادہ و اعتقاد صحیح ہو گیا تو اس کو فعل میں لانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے جائیں وہ نہج حق و صواب پر ہوں۔ یعنی ہر طرح کی گمراہی، کجروی اور کمزوری و نقائص کا اصلی مبدار و سرچشمہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور قَدْ كَانَ

لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور پانچ وقت ہم خدا کی سکھلائی ہوئی یہ دعا مانگا کرتے ہیں، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ سورہ نساء میں بتلایا ہے کہ جماعت مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کون ہے؟ فرمایا ہے سب سے پہلا طبقہ اُن میں انبیاء کرام کا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ پس صرف وہی عمل قبول ہو سکتا ہے جو وجہ صواب پر ہو، اور وہ نہیں ہے مگر انبیاء کرام کا اسوہ، جو عمل اس طریقہ نبوت سے متحقق اور منہاج نبوت کے قدم بقدم نہ ہوگا وہ کبھی مقبول و مشکور نہیں ہو سکتا۔

حضرات! یہی دو شرطیں ہیں جن کی تکمیل پر ہمارے تمام اعمال کی کامیابی بھی موقوف ہے۔ کتنا ہی بہتر طریق صواب اختیار کیا جائے لیکن اگر اخلاص نیت کی رو سے عمل خالی ہوگا تو کبھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اسی بنا پر صحابہ و سلف سے یہ آیہ کریمہ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر میں منقول ہے (کما رواہ ابن عساکر وابن کثیر والسیوطی وغیرھم) "ای اخلصہ و اصوبہ"۔ پھر اس کی تشریح کی "اذا کان العمل خالصًا ولم یکن

صوابًا لم یقبل و اذا کان صوابًا ولم یکن خالصًا لم یقبل حتی یکون خالصًا و صوابًا و الخالص ان یکون للہ والصواب ان یکون علی السنۃ"۔

لیکن سنت سے یہاں مراد صرف عبادات وطاعات کی سنن نہیں ہے بلکہ اعمال نبوت کے تمام سنن ونوامیس مقصود ہیں۔ جن کی راہیں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کھول دیتا ہے۔ اور وہ ان کے ذریعے معالجۂ نفوس وتزکیۂ قلوب وتشکیل جماعت وتاسیس امت صالحہ کا عمل عظیم انجام دیتے ہیں' یہ بات کہ انسانوں کی بھیڑوں کو ایک منظم ومقوم امت صالحہ وعاملہ کی شکل میں بدل دینا اور بکھرے ہوئے اجزاء سے ایک متحد وموتلف جسم میں قومیت ڈھال لینا اور تمام امراض اجتماعیہ کی تداوی وطبابت سے عہدہ برآ ہونا ایک خالص عمل نبوت ہے اور انبیاء کرام کے بعد صرف وہی ورثاء نبوت اس عمل کو انجام دے سکتے ہیں۔ جو اسوۂ حسنۂ نبوت سے متاسّی ہوں۔ جن پر اللہ تعالےٰ نے حکمت نبوت کے اسرار وغوامض کا دروازہ وراثت ونیابت کھول دیا ہو۔ شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے۔ یہاں صرف اشارہ مقصود ہے۔

اس وقت ایک بہت بڑی آزمائش ہمارے طریق عمل کے لیے درپیش ہے۔ ہم نے مدتوں کی غفلت کے بعد قومی واجتماعی عمل کی

کش مکش و کشا کش میں قدم رکھا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ہماری نظر آج کل کے مجلسی و اجتماعی کاموں کے طُرق و اسلوب پر پڑتی ہے۔ اور تقلید و محاکات کا جذبہ ہمیں بے اختیار ان کی جانب کھینچنے لگتا ہے لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کی راہ ان راہوں سے بالکل الگ ہے، اور کتاب اللہ کی ہدائت و حکمت نبوّت کی سنت نے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے تمام گھڑے ہوئے طریقوں اور قاعدوں سے مستغنی کر دیا ہے۔

آپ اس لیے نہیں ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں، بلکہ آپ کو علم و عمل شریعت اس لیے دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھیں آپ کی طرف امید و طلب سے اُٹھیں۔ اور آپ کی ہدائت ان کے لیے اتباع و تقلید کا پیام ہو آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے، اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ اور ان دو چیزوں سے بڑھ کر اور کون سا مبدءِ علم اور سرچشمۂ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام اصول و فروع کے لیے دنیا میں وجود رکھتا ہو۔ دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم و اعمال نبوت ہیں۔ اس کے سوا علم و یقین کا اس سماء دنیا کے نیچے وجود نہیں، اس کے ماسوا جس قدر بھی ہے قرآن پکار پکار کے کہتا ہے ظن ہے تخمین ہے، قیاس ہے، اٹکل ہے، تخرص اور تلعب

بالسریب ہے، ظلمت ہے، "ظلمت بعضہا فوق بعض" علم، یقین، برہان، بصیرت، فرقان، النور اور نورٌ علیٰ نور تو صرف اسی اعلم الخلائق اور اعرف العباد کی درس گاہ سنت وحکمت سے مل سکتا ہے، جو شک کی جگہ یقین کا، جہل کی جگہ علم وبصیرت کا، ظن ورائے کی جگہ بینہ وحجۃ کا، قیاس وتخمین کی جگہ برہان وفرقان کا، اور ان سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ نور کا، تبیاناً لکل شئی کا اور عروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا" کا تمام نوع انسانی کے سامنے اعلان کر رہا ہے، اور تمام کرۂ ارضی کو یہ کہہ کر بلا رہا ہے

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔

پس آپ کو اپنے طریق عمل اور نظم کار کے لیے صرف کتاب و سنت کو دستور العمل بنانا چاہیے۔ اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔ دنیا علم وبصیرت کے لیے آپ کی محتاج ہے، آپ کو علم وبصیرت کے لیے دنیا والوں کی احتیاج نہیں ہے"۔

دنیا کی قوام سعادت کی بنیادی حقیقتیں

آج جو مقصد آپ کے سامنے آیا ہے وہ کوئی نیا مقصد نہیں ہے بلکہ وہی مقصد اصلی وقدیمی ہے جو روز اول سے وحی الٰہی نے جماعت علماء کے لیے قرار دے دیا ہے۔ اس مقام پر سب سے زیادہ اہم شہد

علم حق کی شہادت و دعوت کا تھا۔ جہاں پہنچ کر ہم معلوم کرتے کہ حکمت الٰہی نے کائناتِ ہستی اور نوع انسانی کے قیام و سعادت کے لیے کونسا نظامِ ہدایت مقرر کیا ہے، اور قرآن حکیم کے بیانات اس بارے میں کیا ہیں؟ قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ دنیا کی قوام سعادت کی بنیاد تین حقیقتوں پر مبنی ہے۔ جن کو اصطلاح قرآنی میں لفظ "شہادت" سے تعبیر کیا ہے :۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (آل عمران)

اس آیت کریمہ میں بالترتیب تین شہادتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی شہادت، ملائکہ کی شہادت، اولوا العلم یعنی علم والوں کی شہادت۔ قرآن حکیم جب کبھی لفظ شہادت کو اس سیاق و سباق کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے۔ تو شہادت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ کے کلمۂ حق کی اس کی زمین پر گواہی دینا یعنی اس کا اعلان و اظہار کرنا۔ ہدایت الٰہی کی دعوت کو قائم کر دینا اور حق و صداقت کی تعلیم و بیان سے دنیا کی غفلت و ضلالت کا استیصال کرنا۔

پس وہ تمام امور جو بیان، اظہار، اعلان، تعلیم، دعوت اور قیام اور قوام دعوت سے تعلق رکھتے ہیں، سب کے سب لفظ شہادت کے

مفہوم میں داخل ہیں۔ پس آیۂ آل عمران میں شہادت سے مقصود شہادت حق و توحید ہے خواہ وہ زبان حال سے، اللہ کی شہادت سے مقصود صدائوں میں اس کی وحی ہے اور مشاہدہ و احوال میں کائنات ہستی کا نظام و جمال ہے۔ یہ آخری شہادت دنیا کے گوشے گوشے، چپّے چپّے، ذرّے ذرّے سے ہر آن و ہر لحظہ بلند ہو رہی ہے۔ ہر سامعہ معرفت سنتا ہے اور ہر چشم عرفان اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔

ملائکہ کی شہادت اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہ وحی الٰہی کے سفیر و وسیط ہیں، اور اس اعتبار سے بھی کہ کارگاہ ہستی کے تغیرات و شئون کی اصلی علت الٰہی کے اعمال مدبرہ ہیں۔ اگرچہ ہمارا علم محدود محسوس نہ کر سکے۔ یہ ملائکہ سماویہ ارضیہ ہی شہادت ہے جو تمام تغیرات کونیہ کے اندر فاطر السماوات والارض کی قدرت و حکمت کا اعلان کر رہی ہے۔ ولکن لا یعقلھا الا العٰلمون۔

تیسری شہادت اولوا العلم یعنی علم والوں کی ہے۔ جب شہادت الٰہی کی ابدی و سرمدی نداؤں اور ملکوت السماوات والارض کی غفلت شکن صداؤں سے غافل انسان اپنے کان بند کر لیتا ہے تو پھر ایک تیسری شہادت کی ضرورت ہوتی ہے، جو خود انسانوں ہی کے اندر سے اُٹھے۔ وہ شہادت الٰہی کی حاصل و مبلغ ہو، اور شہادت ملائکہ کے ادراک معرفت

کی راہیں کھولنے والی ہو۔ پس یہ تیسری شہادت اصحاب علم و معرفت کی ہے۔ اصل اور اساسی طبقہ اس جماعت کا انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور پھر تبعاً ان کے متبعین صادقین یعنی علماء و عرفاء حق ہیں، جو ہمیشہ نوع انسانی کی غفلتوں اور ضلالتوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور خدا کی زمین کو اس کے کلمۂ صدق و حق کی شہادت سے خالی نہیں ہونے دیتے۔

چنانچہ شاہدینِ حق کی یہ جماعت ابتدا ظہور ہدایت سے برابر رہی۔ اور جب تکمیل شریعت کا وقت آگیا۔ اور اتمام نعمت کی وجہ سے حضرت خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم کا ظہور ہوا تو اس شہادت الٰہی کا منصب بھی قیامت تک کے لیے انہی کے سپرد ہوا، اور علماء اسلام ان کے وارث و نائب ٹھیرے، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ نیز فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ یعنی حق و ہدایت کی جو شہادت اس شاہد صادق نے اُمت مرحومہ کو پہنچائی ہے اُمت مرحومہ تمام نوع انسانی اور کرۂ ارضی میں اس کے اعلان و قیام کی ذمہ دار ٹھیری۔ تاکہ جو روشنی اس سراج منیر سے حاصل کی ہے، اس تمام ارض الٰہی کو روشن کردے +

اِنتخاب اصلح اور بقائے امثل

آج کل فلسفہ "تاریخ" کے بعض جدید مذاہب نے تاریخ اقوام سے قوانین اجتماع اور طبیعت کے اصول اخذ کیے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے موعظت و تذکیر کے ایک لفظ میں بے شمار حقائق و معارف کے ساتھ اس حقیقت کو بھی آشکارا کر دیا ہے۔ قرآن کا استدلال اس بارے میں یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانی و مادی کے لیے ایک قانونِ طبیعت ہے۔ اور اشیاء کے خواص و آثار ہیں، جو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے، پانی ڈوباتا ہے، آگ جلاتی ہے، زہر کی یبوست ہلاکت کا باعث ہوتی ہے، صالح غذا سے جسم نشو و نما پاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عالم معنویات کے لیے بھی ایک قانون طبیعت ہے اور دیگر اشیاء کی طرح عقائد و اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں جو کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے۔ باطل کے لیے ہمیشہ مٹنا ہے۔ اور حق کے لیے ہمیشہ قائم رہنا ہے، فساد کا خاصہ ہمیشہ ہلاکت ہے، اور اصلاح کا نتیجہ ہمیشہ زندگی۔ ظلم و جور ضرور ہے کہ جب کبھی ہو بالآخر شکست کھائے اور عدل و صداقت کے لیے ضروری ہے کہ جب کبھی ہو، فتح پائے۔ قرآن حکیم نے اس قانون معنوی کو جابجا "سنۃ اللہ" اور "فطرۃ اللہ" کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، کیوں کہ

فی الحقیقت یہی ناموس خلقت ہے، آئین طبیعت ہے، آگ کی حرارت اور پانی کی برودت سے زائد محکم وغیر مبدل ہے۔ اور صرف عالم حیوانات ہی میں نہیں بلکہ کارخانہ ہستی کے ایک ایک وجود اور ایک ایک ذرہ تک میں جاری وساری ہے، قرآن کہتا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ اسی قانون کے ماتحت قوموں کو زندگی ملی ہے اور اسی کے ماتحت وہ ہلاک ہوئی ہیں۔ اور چونکہ قانون دائمی ہیں، اعمال یکساں ہیں، طبیعت غیر مبدل ہے، خواص لاینفک ہیں اور نتائج وثمرات ناگزیر۔ اس لیے آئندہ بھی ہمیشہ وہی ہوگا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اور اس وقت کا امتداد وتغیر اللہ کے قانون مکافات ومجازات عمل کو متغیر نہیں کردے گا۔ زہر کھانے سے اگر ایک ہزار برس پہلے آدمی مرجاتا تھا تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اب زہر کھانے سے زندگی ملے۔ اور اگر آگ پانچ ہزار برس پہلے جلاتی تھی تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اب اس کے شعلوں میں انگلی ڈالو تو ٹھنڈک اور راحت ملے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِهٖ تَحْوِيْلًا۔ چنانچہ اسی بنا پر جا بجا گذشتہ حوادث وانقلابات کے نتائج کو سنۃ الاولین کے لفظ سے تعبیر کیا اور آخرین کے لیے اس کو بطور دلیل وبرہان استعمال کیا۔ سورۂ انفال میں کہا وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اور فاطر میں کہا فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

اللہِ تَبۡدِیۡلًا۔ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا۔ اور سورۂ نساء میں فرمایا سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ۔ پس سنۃ اللہ سے مقصود یہ قانون نتائج حق و باطل اور آئین فلاح و خسران امم ہے، نہ کہ مادی و جسمانی خواص کا قانون، جیسا کہ معتزلۂ قدیم و مقلدین یونانیات و فلاسفہ اور ان کے خوشہ چینوں نے سمجھا، اور جیسا کہ موجودہ عہد کے معتزلۂ جدید اور مفتونین فتنۂ علوم جدیدہ نے استدلال کیا ہے۔ ایسا استدلال قطعاً تحریف معنوی ہے اور نظم قرآن کو بالکل درہم برہم کر دیتا ہے۔

حضرات! آپ کی نظر علم و بصیرت سے یہ حقیقت بھی مستور نہ ہوگی کہ قرآن حکیم نے اس ضمن میں جماعت انسانی کے وحدت اعمال، وحدت خواص اور وحدت نتائج کو ایک عجیب معجزانہ استدلال فطری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ البتہ اس کی فقہ و معرفت کا دروازہ صرف انہی قلوب صافیہ پر کھل سکتا ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انوار کتاب و سنت کے اکتساب کے لیے مجلّٰی و مزکی کر دیا ہو اور جنہوں نے ظلمات قیل و قال و آراء رجال، و ضاعاتِ مخترعہ جدل، و خلاف و سبل متفرقۂ یونانیہ و کلامیہ کے طلسمات ظنون اور کارخانہ جات اہواء سے نکل کر فضاء بے کنار حکمت قرآن و سنت کی سیر کی ہو، وَ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔ بہرحال قرآن حکیم

نے حیاتِ امم کے قانونِ الٰہی کا اعلان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ابتدا خلقت سے جس طرح حق و عدالت کا ظہور یکساں رہا ہے، اسی طرح بطلان فساد کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ جس طرح حق کی صدائیں ہمیشہ ایک ہی طرح اٹھتی ہیں جس طرح حق و ہدائت کی شکل و صورت و خصائص و اوصاف ہر عہد میں ایک ہی طرح کے رہے، اسی طرح فساد کا رنگ روپ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا۔ چنانچہ وہ جا بجا کہتا ہے "بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ"۔ پھر استقرار کے بعد وہ اس قدرتی یقین و اذعان کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جس طرح حق و باطل کی یہ دو زنجیریں متقابل و متوازی ابتدار سے چلی آتی ہیں، ضرور ہے کہ آئندہ بھی جاری رہیں۔ تا کہ حق کی آخری فتح مندی کا وقت آ جائے۔ اور بطلان و فساد کی تمام سرکش قوتیں مٹ جائیں، لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ پس ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے مستقبل میں بھی ہوگا، اور ماضی میں جو نتائج نکلے ہیں۔ ضرور ہے کہ مستقبل بھی نکلیں، ہمیشہ ایسا ہوگا کہ حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و مظلومی کا معرکہ آویزش و کشاکش گرم ہوگا۔ حق کا یہ خاصہ طبیعت ہے کہ اس کی غربت و بے چارگی جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ فتح و فوز سے قریب ہوتا جائے گا۔ اور باطل کا یہ خاصہ طبیعت ہے کہ اس کی قوتِ ظلم و استعداد فساد جس قدر بڑھتی جائے گی اتنا ہی وہ ہلاکت و

خُسران کے لیے زیادہ تیار ہوتا جائے گا۔ حق کی مظلومی میں بالطبع داعیہ فتح ہے، اور ظلم کی سرکشی میں داعیۂ خسران ہے، کچھ عرصہ تک کش مکش جاری رہے گی اور فساد کو تکمیل مادۂ خسران کے لیے ایک خاص زمانے تک مہلت دی جائے گی۔ اس مہلت کو قرآن حکیم نے جا بجا تمتع اِلٰی حِیۡن اور تربص و انتظار و اجل سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس خاص وقت کو جو قانون الٰہی کے ماتحت ظہور نتائج کے لیے مطلوب ہوتا ہے، اجل مقدار اور اجل مسمّٰی کہا ہے۔ پس جب وہ وقت آجائے گا اور مادۂ فساد و تکمیل تک پہنچ کر انفجار کے لیے تیار ہو جائے گا۔ تو پھر حق و باطل کا آخری فیصلہ ظہور میں آئے گا۔ حق کی مظلومی و درماندگی فتح پائے گی۔ باطل کی مغرور طاقت و سطوت کچھ کام نہ دے گی۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اس آخری فیصلہ کا نام قضاء بالحق ہے اور اب لوگوں نے اسے انتخاب اصلح اور بقائے امثل کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالۡحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ۔

راہِ اصلاح میں ضرورت صرف "تجدید" کی ہے "تاسیس" کی نہیں

ایک لفظ "تاسیس" ہے اور ایک "تجدید" ان کے معانی آپ پر روشن ہیں۔ "تاسیس" اساس' سے ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ازسرِ نو کسی چیز کو بنانا۔ "تجدید" جدت سے ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی پیشتر کی بنی ہوئی چیز کو تازہ کر دینا اور اس طرح سنوار دینا گویا وہ بالکل نئی ہو گئی۔ آج ہمارے قومی کاموں کی ہر شاخ میں ایک بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہم نے اصولی طور پر طریق اصلاح کا فیصلہ نہیں کیا۔ مسلمانوں کی اصلاح حال کے لیے ضرورت طریق تاسیس کی ہے یا تجدید کی؛ یعنی اس کی ضرورت ہے کہ ازسرِ نو نئی باتیں، نئے طریقے، نئے ڈھنگ، نئے نظام اور نئی نئی چالیں اختیار کی جائیں۔ یا صورت حال یہ ہے کہ پہلے سے ایک مکمل کارخانۂ ملت موجود ہے جس کو اپنے بقا و ترقی کے لیے کسی نئی بات کی احتیاج نہیں۔ مگر طرح طرح خرابیاں عارض ہو گئی ہیں اور بہت سی نئی باتیں بڑھا دی گئی ہیں۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ خرابیاں دُور کر دی جائیں، کھوئی ہوئی چیزیں واپس لے لی جائیں اور اس کو ایسا ہی

بنا دیا جائے جیسا کہ اصل میں وہ تھا۔

"تاسیس" کے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ نے ایک نئی عمارت کی تعمیر کی۔ "تجدید" یہ ہوئی کہ مکان پہلے سے موجود ہے۔ صرف شکست وریخت کی درستگی مطلوب تھی۔ پس آپ نے نقائص کو دور کر کے درست کر دیا۔ ہم کو غور کر لینا چاہیے کہ بنار ملت کی درستگی کے لیے تعمیرات اسلامیہ مطلوب ہے تو بلاشبہ ہمارا پہلا کام یہ ہو گا کہ نئے نئے ڈھنگ اختیار کریں۔ لیکن اگر تجدید کی ضرورت ہے تو ہمیں نئی نئی چیزوں کی ضرورت نہ ہوگی۔ صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ پہلے سے جو چیزیں موجود ہیں ان کا کیا حال ہے۔ اور ان میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، وہ کیونکر دور کی جائیں؟

حضرات! دین کامل ہو چکا اور اتمام نعمت کا اعلان کر دیا گیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہ ہو گا جو یہ کہے کہ اصلاح ملت اسلامیہ کے لیے قرآن و شریعت کی تعلیمات و نظامات کافی نہیں ہیں اور ہمیں غیروں کی تقلید و دریوزہ گری کی ضرورت ہے۔ پس یہ اصل تو متفق و مسلم ہے کہ راہ اصلاح میں ضرورت صرف تجدید کی ہے، تاسیس کی نہیں ہے۔

خود شارع علیہ السلام نے بھی ہمیں تجدید ہی کی خبر دی نہ کہ تاسیس کی"۔ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من

یجدد لہا دینہا"۔ (رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرہ) لیکن میں عرض کروں گا کہ اگر یہ سچ ہے تو عملاً نتیجہ اس اعتقاد کا یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا قدم طلب اصلاح میں تاسیس کی طرف نہ جائے اور وقت کے نظر فریب اسلوب کار، علی الخصوص یورپ کے مجلسی و اجتماعی طریقے ہمیں نظم شرعی سے روگرداں نہ کر دیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک تمام داعیان اصلاح کا طرزِ عمل اس کے مخالف رہا ہے۔ اور یقین کیجیے کہ یہ ہی علت ہے کہ اس وقت تک ہماری کوئی سعی اصلاح و ترقی فوز و فلاح نہ پا سکی۔ اسلام اگر دین کامل ہے تو ضرور ہے کہ اُس نے اپنے پیروؤں کی تمام انفرادی، اجتماعی اور تمدنی ضروریات کے لیے کامل و اتم تعلیم دے دی ہو۔ اگر وہ دین آخری ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اور شارع کی عملی سنت ہر عہد، ہر زمانے ہر حالت اور ہر مشکل کے لیے رہنما و کفیل ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ حقیقت ایسی ہی ہے۔ اور اسلام نے ہمارے لیے تمام اجتماعی و قومی برکات کا سامان کر دیا ہے۔ لیکن پھر یہ کیا مصیبت ہے کہ ہم ان کھوئی ہوئی برکتوں کو واپس لینا نہیں چاہتے؟ مگر نئی نئی راہوں کی جستجو میں حیران و سرگرداں ہیں۔ مثلاً میں چند امور عرض کروں گا:۔

قوم افراد سے مرکب ہے۔ اور افراد کی قومی ہستی کے قیام و ظہور کے لیے ضروری ہے کہ جماعتی مسلک میں تمام افراد منسلک ہو جائیں اور تفرقہ

وتشتّت کی جگہ وحدت واتحاد پر افراد قوم کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور یورپ کے اجتماعی طریقوں کی نقالی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ آخر اسلام نے بھی حیات اجتماعی کے لیے کوئی نظم ہمیں دیا تھا یا نہیں؟ اگر دیا تھا اور ہم نے ضائع کر دیا ہے تو یورپ کی دریوزہ گری سے پہلے خود اپنی کھوئی ہوئی چیز کیوں نہ واپس لے لیں؟ اور سب سے پہلے اسلام کا قرار دادہ جماعتی نظام کیوں نہ قائم کریں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک مجالس نہ ہوں، اجتماعات نہ ہوں، انجمنیں نہ ہوں، کانفرنسیں نہ ہوں کوئی عمل انجام نہیں پا سکتا، نہ اتحاد و تعاون کی برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ پس ہم آج کل کے مجلسی طریقوں کے مطابق انجمنیں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ مگر ہم میں سے کسی کو بھی اس کا خیال نہیں آتا کہ اسی مقصد اجتماع و تعاون کے لیے اسلام نے پانچ وقت کی نماز باجماعت، جمعہ و عیدین اور اجتماع حج کا حکم دیا ہے۔ یہ نظام و قوام درہم برہم ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے اسے کیوں نہ درست کر لیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک کوئی قومی فنڈ نہ ہو۔ اس وقت تک قومی اعمال انجام نہیں پا سکتے۔ پس ہم نئے نئے فنڈ قائم کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے، مگر کاش کوئی یہ بھی سوچے کہ خود شریعت نے اسی ضرورت

کو رفع کرنے کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا ہے۔ اس کا نظم ٹھیک قائم ہے یا نہیں۔ اگر وہ قائم ہو جائے تو پھر بھی کسی چندہ اور فنڈ کی ضرورت ہو گی؟

ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کی تعلیم عام کے لیے مجامع و محافل کی ضرورت ہے۔ ہم اس کے لیے نئی نئی تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ مگر کبھی یہ حقیقت ہمارے دلوں کو بے قرار نہیں کرتی کہ عین اسی مقصد سے شریعت نے خطبہ جمعہ کا حکم دیا۔ ہم نے کیوں اس کی برکتوں کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ قومی و اجتماعی کام انجام نہیں پا سکتا جب تک اس میں نظم و انضباط نہ ہو۔ اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کا کوئی رئیس و قائد مقرر نہ کیا جائے۔ پس ہم تیار ہو جاتے ہیں کہ جلسوں کے لیے صدر تلاش کریں، لیکن اگر حقیقت شریعت کی ایک اصطلاح "امامت" ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب و حیرانی ہوتی ہے اور اس کے لیے ہم تیار نہیں ہوتے۔

حضرات! میں مثالوں میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا۔ مقصود یہ ہے کہ ہمارے لیے راہِ عمل تجدید و احیاء ہے نہ کہ تاسیس و اختراع۔ پس کسی طرح یہ بھی طریق صواب نہ ہو گا کہ علماء اُمت کی جمعیت بھی اپنے

نظام و قوام کے لیے محض آج کل کی مجلسوں کے قاعدوں اور طریقوں کی نقل و محاکات پر اکتفار کر لے۔ حاملین شریعت کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے عمل کے لیے ان مجلسوں کے ڈھنگ اور طریقوں کے محتاج ہوں۔ ان کی راہ اتباع شریعت اور اہتدار بہ مشکوٰۃ نبوت کی ہے۔ اور اسوۂ حسنہ نبوت اور حکمت رسالت نے انہیں تمام انسانی طریقوں سے مستغنی و بے نیاز کر دیا ہے۔ ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنالیں۔ شریعت کے کھوئے ہوئے نظام کو از سر نو قائم و استوار کر دیں۔ اور اس طرح اسلام کی مٹی ہوئی سنتیں زندہ ہو جائیں۔ محض مجلس آرائی و ہنگامہ سازی ہمارے لیے کچھ سود مند نہیں ہو سکتی۔

مسئلۂ اِصلاح و تجدید اُمّت

میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسئلہ "اصلاح و تجدید اُمت" کے متعلق میرا ایک خاص مسلک ہے اور اس مسلک کی بنیاد محض بعض جزئیات عروج و تنزل کے مشاہدہ و تاثر پر نہیں ہے۔ جیسا کہ گزشتہ پچاس سال کی تمام اصلاحی تحریکوں کا حال رہا ہے، بلکہ اس کی بنیاد وہ کلیات و اصول عقائد ہیں جن کو اسلام کی تصریحات، و کتاب و سنت کی محکمات، عقل و

براہین کے ولادت، تاریخ و استقراءِ تاریخی کے نظر و اخذ، اور تمام جزئیات ترقی و تنزل امم کے درس و فکر کے بعد میں نے قرار دیا ہے، اور اس بارے میں ایک پورا مرتب سلسلۂ عمل اپنے پیش نظر رکھتا ہوں۔

منجملہ اُن عقائد و اصول کے جن پر میرا مسلکِ دعوت مبنی ہے، ایک سب سے بڑا اہم اصول وہ ہے جس کو میں "مسئلہ تحزب و تمذہب" سے تعبیر کرتا ہوں، یعنی مسلمانوں کا توحید و تالیف کے بعد پھر متفرق ہو کر گروہ در گروہ ہو جانا، اور ایک اُمت قیمہ کی جگہ مختلف ناموں اور مختلف مذہبوں میں بٹ جانا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام ادبار و تنزل کی اصلی حقیقی علت یہی چیز ہے۔ اور جب تک یہ دور نہ ہو گی اس وقت تک کوئی تجدید و احیاء کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کا سیاسی تنزل، اخلاقی تنزل، علمی تنزل، عملی تنزل، مدنی و عمرانی تنزل یہ تمام جزئیات تنزل ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی کلی اصل نہیں ہے۔ ان تمام مختلف شاخوں سے گذر کر جب درخت کی جڑ تک نظر پہنچے گی تو صاف نظر آ جائے گا کہ علل و اسباب کے کلیات دوسرے ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ اہم و نافذ علت مسلمانوں کی تالیف کے بعد تفریق، توحید کے بعد تعدد، اجتماع کے بعد افتراق، اور نزول علم کے بعد بغی و عدوان ہے۔ بظاہر اس چیز کو ہر شخص محسوس کرتا ہے، اور مسلمانوں کے تنزل کے اسباب پر ماتم کرتے ہوئے

کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جس کے آنسوؤں میں اس منظر کو دخل نہ ہو۔ تقریباً سب کہتے ہیں کہ اختلاف سے اتفاق بہتر ہے۔ اور دشمنی پر محبت کو ترجیح دینی چاہیے۔ بایں ہمہ بدبختی یہ ہے کہ مسئلہ اختلاف وافتراق امت کو اس کی اصل اہمیت کوئی بھی نہیں دیتا، اور کسی کو اس کی توفیق نہیں ملتی کہ ظواہر و آثار سے گذر کر اسباب وعلل پر نظر ڈالے، اور صحت نظر کے ساتھ اصلیت مستورہ کی تشخیص کرے۔ اگر گذشتہ دور اصلاح وتحریک میں کسی کا قدم یہاں تک پہنچا بھی ہے تو بدبختانہ اس کے بعد کی منزل علاج گم ہو گئی ہے۔ اور یہ افسانہ بہت طول طویل ہے۔

درخت جب سوکھتا ہے تو اس لیے نہیں سوکھتا کہ اس کی شاخوں میں رطوبت نہیں رہی، بلکہ اس لیے کہ رطوبت حیات کا سرچشمہ جڑ ہے۔ اور اب اُس میں زندگی باقی نہیں رہی۔ اسی طرح کوئی قوم اس لیے نہیں بگڑتی کہ اُس نے اپنی تعلیم سعادت کی فروعات کو چھوڑ دیا۔ بلکہ اس لیے کہ اصول وکلیات کا سررشتہ اس کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ جب تک جڑ میں زندگی ہے، اس وقت تک درخت کا ایک پتہ بھی خشک نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر جڑ کو پانی نصیب نہیں تو شاخوں اور پتوں کے اوپر سمندر کے سمندر بھی اونڈیل دو، وہ سرسبز نہیں ہو سکتے۔

اسلام کے بھی اصول ہیں اور فروع ہیں۔ پس مسلمانوں کی تباہی و

بربادی کو اصول میں ڈھونڈنا چاہیے نہ کہ فروع میں۔ اسلام کی اولین اصل عقیدۂ "توحید" ہے۔ اسی عقیدے کے اندر مسلمانوں کی تمام روح حیات مضمر تھی اور اسی روح نے ان کو دائمی زندگی کی خوشخبری سنائی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے سب سے زیادہ اسی عقیدے سے انحراف کیا۔ حتیٰ کہ آج اس سے بڑھ کر اور کسی اعتقاد میں وہ تجدید دعوت کے محتاج نہیں ہیں۔ جس طرح عقیدۂ توحید کے معنی یہ نہ تھے کہ مشرکین مکہ کی طرح زبان سے ایک صانع کل کا اقرار کر دیا جائے (لیقولن اللہ) لیکن اپنی عملی زندگی پر صدہا غیر الٰہی عبودیتوں کی لعنت بھی طاری کر لی جائے اسی طرح توحید کی حقیقت کے ساتھ یہ ضلالت بھی جمع نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک فاطر السمٰوات والارض کی بندگی کا دعویٰ کر کے بہت سے خداؤں کے ماننے والوں کی طرح بہت سی جماعتوں اور شکلوں میں متفرق ہو جائیں اعتقاد توحید کا اوّلین مطالبہ یہ تھا کہ تمام کرۂ ارضی کی سعادت و ہدائت کے لیے ایک ایسی اُمتِ عادلہ تیار ہو، جو تمام پچھلی قوموں کے برخلاف اپنے تمام عقائد و اعمال کے اندر جلوۂ توحید رکھے۔ اس کا خدا ایک ہو، اس کا مبدءِ حکم و سلطانی ایک ہو، اس کے خصائص و اعمال ایک ہوں، اس کا مصدر امر و نہی ایک ہو، اس کا قبیلہ ایک ہو، اس کا نام ایک ہو، یعنی جس طرح اس کا خدا وحدہٗ لاشریک ہو، اسی طرح اس کا قرآن بھی اپنی

ہدایت میں، اس کا رسول بھی اپنی تعلیم کتاب و حکمت میں، اور اس کی امت بھی اپنے خصائص و محامد اور وحدت و یگانگت میں وحدہٗ لاشریک ہو۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اسلام کی حقیقت اصلی اس چیز کو بتلایا ہے جو اختلاف و تفرق کے ساتھ جمع ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ ہر جگہ اسلام کو "وحدت و تالیف" اور کفر کو "تعدد و تشتت" قرار دیتا ہے۔ اور جس شدت اور اعادہ تکرار کے ساتھ شرک کو روکتا ہے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح تفرق و شقاق سے بھی باز رکھنا چاہتا ہے۔ وہ بار بار کہتا ہے کہ تم "مغضوب علیہم" یعنی یہود اور "الضالین" یعنی نصارٰی کی ضلالتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ اور "انعام یافتہ" جماعتوں کی راہ پر چلو۔ پھر جابجا تشریح کرتا ہے کہ یہود و نصارٰی کی سب سے بڑی ضلالت یہ تھی کہ انہوں نے نزول شریعت کے بعد وہ شقاوت اختیار کی۔ خدا نے ان کو ایک کر دیا تھا پر وہ ایک نہ رہے۔ اور مختلف مذہبوں، مختلف جماعتوں، مختلف ناموں، مختلف غیر الٰہی عبودیتوں میں متفرق ہو گئے۔

اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا	ان لوگوں کی راہ اختیار نہ کرو جنہوں نے
دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا	اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور ایک امت
كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ	ہونے کی جگہ گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر فرقہ

فَرِحُوْنَ ۔ (۳۰ - ۳۲) اپنے ہی خیالات واوہام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر قانع اور خوش حال ہے۔"

اس سے بھی زیادہ یہ کہ جا بجا واضح کیا کہ کسی اُمت کے لیے تالیف واتحاد رحمت الٰہی ہے' اور تحزب وتفرق عذاب الٰہی۔ خدا جب کسی قوم کو سزا دینا چاہتا ہے تو اس میں باہمی تفرقہ اور اختلاف ڈال دیتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۔ (۶ : ۶۵)

کہہ دے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ تم پر اوپر سے کوئی عذاب لائے یا تمہارے قدموں کے نیچے ہی سے اس کا عذاب نمایاں ہو۔ اور یا تمہارے اندر پھوٹ ڈال دے تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہو جاؤ اور باہم ایک دوسرے سے لڑ کر خود اپنی ہی تلوار سے اپنے آپ کو ہلاک کر دو۔"

اللہ کے رسول ؐ نے سب سے بڑی وصیت اُمت کو یہی کی:۔

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم اعناق بعض (بخاری) "میں نے تم کو عذاب شقاق وافتراق سے نکال کر اتحاد و تالیف کی رحمت کا پیکر بنا دیا ہے۔ لیکن میرے بعد کافروں کا طریق اختیار نہ کرنا کہ باہم ایک کی تلوار دوسرے کی گردن پر چلے۔"

اور یہی چیز ہے جس کی طرف باب مدینۃ العلم حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ مقدسہ میں دعوت دی :-

الٰھھم واحد و نبیھم واحد وکتٰبھم واحد فامرھم اللہ باختلاف فاطاعوہ ام نھی عنہ فعصوہ ام انزل اللہ دینا ناقصا فاستعان بہ علی اتمامہ (نہج البلاغۃ)

"ان کا خدا ایک ہے، نبی ایک ہے کتاب ایک ہے پھر کیا ہے کہ وہ باہم اختلاف کرتے ہیں؟ خدا نے کیا ان کو اختلاف کا حکم دیا ہے کہ اس کی پیروی میں مختلف ہو رہے ہیں؟ یا اس نے اختلاف سے روکا ہے۔ اور وہ حکم الٰہی کی نافرمانی کر رہے ہیں؟ پھر یہ خدا نے ناقص دین اتارا اور اس لیے اس طرح سے اب مکمل کرنا چاہتے ہیں۔"

قرآن حکیم کی بے شمار تصریحات کو میں ایک تمہیدی ٹکڑے میں کہاں تک نقل کروں؟ مختصر یہ کہ سب پڑھتے ہیں :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔

آگے چل کر فرمایا :-

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ

مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ۔ اُن قوموں کی طرح نہ ہو جاؤ جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں، اور جن کا حال یہ رہا ہے کہ خدا کی شریعت کے نزول کے بعد پھر متفرق ہو گئیں اور اتحاد کی جگہ اختلاف کی راہ اختیار کی۔"

لیکن بدبختانہ مسلمانوں نے وہی کیا جس سے وہ روکے گئے تھے۔ خدا نے اُن کو دوسروں کے لیے تلوار دی تھی اُنہوں نے اپنوں پر چلائی۔ خدا نے اُن کو ایک بنایا تھا وہ متعدد جماعتوں میں متفرق ہو گئے۔ خدا نے ان کو ایک شریعت دی تھی انہوں نے بہت سی شریعتیں بنالیں، خدا نے ان کا ایک ہی نام مسلم رکھا تھا۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (۲۲: ۷۸) من قبل وھوفی ھذا۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی دین الٰہی صرف اسلام ہے۔ اور اللہ نے تمہارا نام ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے صرف مسلم رکھا ہے، مگر ان میں سے ہر جماعت نے اپنا الگ الگ نام رکھا اور اصلین کتاب وسنت سے اس قدر بعد و ہجر، اور مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ سُلْطٰنٍ سے اس قدر شغف و وصل ہو گیا، کہ اپنے ٹھیرائے ہوئے ناموں سے اپنے تئیں پکار کر ہر جماعت خوش ہوتی ہے مگر خدا کے ٹھیرائے ہوئے نام میں اس کے لیے بڑا ہی دکھ اور بڑی ہی ذلت ہے، حتیٰ کہ اگر اس طرف دعوت دی جاتی ہے تو اسے کفر و ضلالت سے منسوب کرتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک یہودیوں کی حالت اُنہوں اپنے اوپر طاری کر لی کہ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا

لَدَیْہِمْ فَرِحُوْن۔ پس یہ اختلاف وشقاق ایک عذاب الٰہی ہے۔
مسلمانوں کی یہ سب سے بڑی معصیت ہے' سب سے بڑا طغیان ہے'
سب سے بڑا عدوان ہے' ان کے تمام مصائب وخسران قومی کا مبدا
حقیقی ہے۔ زمین کی سطح پر مسلمانوں نے اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں
کیا اور خدا نے جس قدر بھی اس وقت تک ان کو سزائیں دی ہیں۔ وہ
سب کی سب اس بڑے جرم کی پاداش ہیں۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ
مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَہَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ وَ
اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْم +

"اجتماع اور ائتلاف" "اشتات اور انتشار کی حقیقتیں"

ایک "اجتماع" اور "ائتلاف" ہے' دوسرا "اشتات" اور "انتشار"۔ نہ صرف
امت اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کی موت وحیات' ترقی وتنزل' اور سعادت
وشقاوت کے جو اصولی اسباب ومراتب قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں اُن
کی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہیں الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے۔ "اجتماع"
کے معنی ہیں "ضم الشئ بتقریب بعضہ من بعض" (مفردات امام راغب ۹۵)
یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا اور ائتلاف "الف" سے ہے۔ اس کے
معنی ہیں ما جمع من اجزاء مختلفۃ ورتب ترتیباً' قدم فیہ

ما حقہ ان یقدم' وأخر فیہ ما حقہ ان یؤخر" (مفردات ۱۹) یعنے مختلف چیزوں کا تناسب اور ترتیب کے ساتھ اکٹھا ہو جانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیے وہی جگہ اُسے ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے۔ جس کو آخری جگہ ملنی چاہیے وہ آخری جگہ پائے"۔ عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام' ایک مرکز' ایک سلسلے' ایک وجود' ایک طاقت اور ایک فرد واحد میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور تمام مواد' قوی' اعمال اور افراد پر ایک اجتماعی اور انضمامی دَور طاری ہو جاتا ہے۔ بحدیکہ ہر قوت اکٹھی' ہر عمل باہمدگر جڑا جڑا اور ملا ہُوا' ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی' ہر فرد زنجیروں کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے۔ کسی چیز' کسی گوشے' کسی عمل میں علیحدگی نظر نہیں آتی۔ جدائی' انتشار اور الگ الگ' جز' جز' فرد فرد ہو کر رہنے والی حالت نہیں ہوتی۔ مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے' تو اس سے تخلیق و تکوین اور وجود ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں۔ اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبہ "تخلیق" و "تسویہ" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۔ پس زندگی اور وجود نہیں ہے مگر اجتماع و ائتلاف' اور موت و فنا نہیں ہے مگر اس کی ضد۔ یہی حالت جب

افعال و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اس کو "خیر" اور شریعت کی زبان میں "عمل صالحہ" اور "حسنات" کہتے ہیں۔ جب جسم انسانی پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں "تندرستی" سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اور حکیم کہتا ہے کہ یہ "زندگی" ہے۔ اور پھر یہی حالت ہے کہ جب قومی و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام "حیات قومی" و اجتماعی ہوتا ہے۔ اور اس کا ظہور قومی اقبال و ترقی اور نفوذ و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے۔ الفاظ بہت سے ہیں، معنی ایک ہے بظاہر گو مختلف ہیں مگر اس حکیم یگانہ و واحد کی ذات کی طرح اس کا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستی میں ایک ہی ہے۔ و لنعم ما قال

عباراتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذلک الجمال یشیر

اس حالت کی ضد "اشتات و انتشار" ہے۔ "اشتات" "شتت" سے ہے جس کے معنی لغت میں "تفریق" اور الگ الگ ہو جانے کے ہیں۔ "یقال شت جمعھم شتا و شتاتا، وجاؤا اشتاتا ای متفرق النظام" (مفردات ۲۵۶)۔ قرآن حکیم میں ہے:۔ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا۔ اور مِنْ نَبَاتٍ شَتَّىٰ اور وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ای مختلفہ۔

"انتشار" "نشر" سے ہے۔ اس کے معنی بھی الگ الگ ہو جانے کے ہیں۔ یعنی تفریق کے۔ سورۂ جمعہ میں ہے:۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا یعنی تفرقوا۔ "اشتات و انتشار" سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ الگ الگ ہو جائے۔ متفرق و پراگندہ ہونے اور باہمدگر علیحدگی و بیگانگی کی حالت طاری ہو جائے۔ مواد میں، قوٰی میں، اعمال میں، افراد میں، ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد حالت پیدا ہو جائے۔ یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو "تکرین" کی جگہ "فساد" اور "وجود" کی جگہ "عدم و فنا" کا اس پر اطلاق ہوتا ہے جسم پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام "بیماری" اور پھر "موت" ہے۔ اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اس کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں "عمل سوء" اور "عصیان" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور پھر یہی چیز ہے کہ جب قوموں اور اُمتوں کی اجتماعی زندگی پر طاری ہو جاتی ہے تو دنیا دیکھتی ہے کہ اقبال کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ تسفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ محکومی، اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اس پر چھا گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا "اجتماع و ائتلاف" کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد، اور اس لیے انسان کے لیے اللہ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت و نعمت قرار دیا ہے۔ اور اس کو "اعتصام بحبل اللہ" اور اسی طرح کی تعبیرات

عظیمہ سے موسوم کیا ہے۔ مسلمانوں کے اولین، وہ تکرین اُمت یعنی اہل عرب کو مخاطب کر کے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا:-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ	سب مل جل کر اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ
اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا	کی رسی مضبوط پکڑ لو سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ
وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ	سے وابستہ ہوں اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم
عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءً	الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کیے گئے، تمہارا
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ	حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ	دشمن تھے۔ اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا اور اکٹھا
اِخْوَانًا ط	کر دیا۔ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے

اس کے بعد فرمایا کہ اشتات وانتشار کی زندگی کو بقا و قیام نہیں ہو سکتا۔ وہ ہلاکی کی ایک آگ ہے جسے دُھکتے ہوئے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشوونما نہیں پا سکتی:-

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا	اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دُھکتے
حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ	ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے پر
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۚ كَذٰلِكَ	اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ اپنے فضل و
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ	رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تا کہ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔	کامیابی کی راہ پالو۔

یہ بھی جا بجا بتلا دیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کی
صالح و حقیقی زندگی پیدا کر دینا محض انسانی تدبیر سے ممکن نہیں۔ دنیا میں
کوئی انسانی تدبیر اُمّت نہیں پیدا کر سکتی۔ یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق او
رحمت اور اس کی وحی و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک
بنا دے:۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی	اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا	ڈالتے جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں
اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ	کو محبت و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں
وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ	سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے
اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔	جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کر دیا۔

اور اسی لیے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا
ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہوا اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت
و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اور اسی لیے یہ نتیجہ شریعت سے بغی و
عدوان اور اس کو بالکل ترک کر دینے کا ہے:۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ۔ وَاٰتَیْنٰهُمْ
بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ۔ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ہے ۔ اور جماعت سے علیحدگی کو "جاہلیت" اور "حیات جاہلی" سے تعبیر کیا ہے ۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا ۔ من فارق الجماعۃ فمات میتۃ الجاھلیۃ" وغیر ذلک ۔ اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں ۔ جن میں نہائت شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ۔ اگرچہ امیر غیر مستحق ہو، نااہل ہو، فاسق ہو، ظالم ہو، کوئی ہو ۔ بشرطیکہ مسلمان ہو اور نماز قائم رکھے ۔ (ما اقاموا الصلوٰۃ) اور ساتھ ہی بتلا دیا گیا کہ جس شخص نے جماعت سے علیحدگی کی راہ اختیار کی ۔ تو اُس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کر دیا ۔ یعنی گمراہی اور ٹھوکر اس کے لیے ضروری ہے ۔ زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے ۔ لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہو گئی ہو تو ایک چھوٹے سے حلقے کا حکم رکھتی ہے جس کو انگوٹھے سے مسل دیا جا سکتا ہے ۔ حضرت عمرؓ اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرت صلعم کی روائت کرتے : "علیکم بالجماعۃ فان الشیطن مع الفذۃ وھو من الاثنین ابعد" ۔ دوسری روایت میں ہے "فان الشیطن مع الواحد" ۔ یعنی جماعت سے الگ نہ ہو، ہمیشہ جماعت بن کر رہو کیونکہ جب کوئی تنہا الگ ہوا تو شیطان

اس کا ساتھی ہو گیا۔ دو انسان بھی مل کر رہیں تو شیطان اُن سے دور رہے یعنی اتحادی و جماعتی قوت اُن میں پیدا ہو گئی، اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔ یہ الفاظ مشہور خطبہ جابیہ کے ہیں جو عبداللہ بن دینار عامر بن سعد، سلیمان بن یسار وغیرھم سے مروی ہے۔ اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ اُنہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا۔ اسی طرح حدیث متواتر بالمعنی "علیکم بالسواد الاعظم" اور "فانہ من شذ شذ فی النار" اور "ید اللہ علی الجماعۃ" اور "لا یجمع اللہ امتی علی الضلٰلۃ" او کما قال۔ اور خطبہ حضرت امیر کہ "ایاکم والفرقہ، فان الشاذ من الناس للشیطٰن کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ الا من دعا الی ھٰذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت امامتی ھٰذا او غیر ذٰلک اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ آخری قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہو کر رہو۔ جو جماعت سے الگ ہوا اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ افراد تباہ ہو سکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی۔ اس پر اللہ کا ہاتھ کبھی ایسا ہونے نہ دے گا کہ پوری اُمت گمراہی پر جمع ہو جائے۔ اسی طرح نماز کی جماعت کی نسبت ہر حال میں التزام پر زور دینا

اور اگرچہ امام نا اہل ہو لیکن سعی قیام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھنا۔ حتیٰ کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" تو اس میں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے۔ انفراد و فرقہ ہر حال میں برباد و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہیے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی۔ اس میں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالاں کہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ فرمایا اِهْدِنِیْ نہیں کہا گیا۔ یہ اسی لیے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شئے نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے۔ اور فرد کا وجود اور اعمال صرف اس لیے ہے تاکہ ان کے اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو اور اسی لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان و خلاصۂ قرآن و عصارۂ اسلام ہے۔ متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا۔ اور اسی لیے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی گئی وہ بھی بصیغۂ جمع آئی۔ اگرچہ مخاطب واحد ہو "السلام علیکم" السلام علیک نہیں قرار دیا گیا۔ اسی طرح نماز سے باہر آنے کے لیے بھی السلام علیکم بصیغۂ جمع رکھا گیا۔ واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ علت اس کی یہی ہے نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی۔

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے۔ نماز کی جماعت خمسہ اور جمعہ و عیدین کا حال ظاہر ہے۔ حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں۔ زکوٰۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصّہ قرار دے دینا ہے۔ علاوہ بریں اس کی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا۔ بلکہ جماعتی حیثیت سے۔ یعنی ہر فرد کو اپنی زکوٰۃ خود خرچ کر دینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بدقسمتی سے آج مسلمان کر رہے ہیں۔ اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے۔ بلکہ مصارف زکوٰۃ متعین کر کے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم امام و خلیفہ وقت کے سپرد کر دے۔ پس اس کے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی۔ یہ امام کا کام ہے کہ اس کا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو اس کو ترجیح دے۔ ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا۔ زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا۔

اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے۔ جب ان تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی

گئی ہے :-

"مثل المومنین فی ترادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا شتکی منہ عضوٌ تداعی لہٗ سائر الجسد بالسھر والحمیٰ" (صحیحین) اور "المسلم للمسلم کالبنیان یشد بعضہ بعضاً۔" (بخاری)

یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اس کے مختلف اعضا۔ ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے اور اس کی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصّہ لیتا ہے جیسے خود اس کے اندر درد اُٹھ رہا ہو اور ان کی مثال دیوار کی سی ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی، پھر تشبیک اصابع کرکے اس کی تصویر بتلادی۔ یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھ کر دکھلا دیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہؤا اور متصل ہے۔ سو ان تمام تصریحات میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں دیوار کا نام ہے۔ الگ الگ اینٹ کا کوئی اور مستقل وجود نہیں، ہے تو اجتماعی وجود ہے یعنی دیوار کا ایک جز، ہے۔ اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا۔ یعنی صف بندی پر، اور سب کے سروں، سینوں،

اور پاؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم" (بخاری) اور روایت انسؓ کہ "سووا صفوفکم فان تسویۃ الصوف من اقامۃ الصلوٰۃ (بخاری) - وفی لفظ من تمام الصلوٰۃ" تو اس میں بھی یہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔ قرآن وسنت کی تصریحات وحکمیات اس بارے میں اس قدر کثرت سے اور محتاج تفسیر وکشف ہیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب"۔

اِسلام کا نظامِ عمل۔ پانچ عالمگیر صداقتیں

سب سے پہلے میں مسند امام احمدؒ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالترتیب اسلام کا نظامِ عمل بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :-

انا امرکم بخمس	یعنی فرمایا۔ میں تم کو پانچ باتوں کے
اللہ امرنی بھن الجماعۃ	لیے حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے دیا ہے۔
والسمع، والطاعۃ،	جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور اللہ
والھجرۃ، والجھاد	کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان
فی سبیل اللہ فانہ	جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر
خرج من الجماعۃ	ہوا تو اس نے اسلام کی جماعتی زندگی

قید شبر، فقد خلع ربقة	کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی طرف
الاسلام عن عنقه الا ان	بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لوگوں
یراجع، ومن دعا بدعوی	نے عرض کیا۔ کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا
جاهلیة فهو من جثی جهنم	اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا
قالوا یا رسول الله وان صام	ہو؟ فرمایا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور
وصلی؛ قال وان صلی وصام	نماز پڑھتا ہو اور اپنے زعم میں اپنے
وزعم انه مسلم"	تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔

(اخرجه احمد والحاکم من حدیث) الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین۔ قال ابن کثیر هذا حدیث حسن وله الشواهد۔

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں:۔

(۱) پہلی چیز "جماعت" ہے۔ یعنی تمام امت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جُڑ کے رہنا چاہیئے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہیے۔ آگے چل کر کثرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو، یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی اور سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو، اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ

زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی "جماعت" ہے۔

"جماعت" سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد، ائتلاف، امتزاج اور نظم ہو۔

"اتحاد" سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات منتشر نہ ہوں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اور ان کے تمام اعمال مل جُل کر انجام پا جائیں۔ کسی گوشہ عمل میں بھی پھوٹ اور بیگانگی نہ ہو۔

"ائتلاف" کا مرتبہ "اتحاد" سے بلند تر ہے۔ "اتحاد" صرف باہم مل جانا ہے۔ ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھ ترکیب ہوئی ہو۔ لیکن "ائتلاف" سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھ اتحاد ہو۔ یعنی منتشر افراد اس طرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اس کی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہیے وہی جگہ اسے ملی ہو اور ہر فرد کی انفرادی قوت کو جماعتی ترکیب میں اتنا ہی دخل دیا جائے جتنی مقدار میں دخل پانے کی اس میں استعداد ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زید کو سر دار ہونا چاہیے، اور اس سے چاکری کا کام لیا جائے۔ اور عمر کی قابلیت کا عنصر صرف چھٹانک بھر جزوِ جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کو بھی سیر بھر قرار دے دیا جائے۔

"امتزاج" ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے۔ اس میں کمیّت سے زیادہ

کیفیت کا اتحاد ہونا چاہیے۔ یعنی مختلف افراد کو باہم اس طرح ملایا جائے
کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھ مل کر ایک متحدہ
کیفیت حاصل کر سکتا ہے ویسا ہی مزاج اس کے ساتھ ملایا جائے۔ یہ نہ
ہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جن کی طبیعت و خصلت اور استعداد و
صلاحیت باہم دگر میل نہیں کھا سکتی اور اس لیے خواہ کتنا ہی دونوں کو
ملاؤ۔ لیکن تیل اور پانی کی طرح ہمیشہ الگ الگ ہی نظر آئیں۔ باہم مل کر
ایک جان نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالےٰ نے جس طرح عناصر کو اس لیے پیدا
کیا ہے کہ باہم دگر مل کر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل ہوں۔ اسی طرح
افراد انسانی کو بھی اس لیے پیدا کیا تاکہ ان کے باہم ملنے سے جماعت
پیدا ہو۔ "جماعت" ایک مرکب وجود ہے۔ افراد اس کے عناصر ہیں۔
فرد بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا۔ محض ایک ٹکڑا ہے اور جب
تک اپنے بقیہ ٹکڑوں سے مل نہ جائے کامل وجود نہیں پا سکتا۔ لیکن یہ
باہم ملنا "امتزاج" کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تاکہ ہر ٹکڑہ اپنے صحیح و مناسب
ٹکڑہ کے ساتھ مل کر اس طرح جڑ جائے کہ معلوم ہو یہ نگینہ اسی انگشتری
کے لیے تھا۔

"نظم" سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و ترکیبی حالت ہے۔ جب
اس کے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود

اور اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں۔

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہو سکتے ہیں، نہ قائم رہ سکتے ہیں۔ جب تک کوئی بالاتر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آئے اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد، موتلف، ممتزوج اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے۔ پس ایک "امام" کا وجود ناگزیر ہوا اور اسی لیے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیں جو بکھرے ہوئے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھ جوڑ دینے اور اُڑتے ہوئے ذرّوں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفہ ہے۔ اور پھر ہر ملک، ہر آبادی، ہر گروہ میں اس کے ماتحت امام جماعت ہونے چاہئیں۔ مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کے لیے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں۔ حتیٰ کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں تو چاہیے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کر لیا جائے:۔

"اذا کان ثلاثۃ فی سفر، فلیومروا احدھم"

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھلا دیا گیا۔ کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و

اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے۔ کس طرح سینکڑوں ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں، مختلف جہتوں، مختلف شکلوں اور مختلف لباسوں میں آتے ہیں۔ لیکن یکایک صدائے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل استحادی جسم میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ہزاروں اجزا کا یہ منتشر مواد بالکل ایک ہی جسم واحد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سب کے وجود ایک ہی صف میں جڑے ہوئے، سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے، سب کے قدم ایک ہی سیدھ میں، سب کے چہرے ایک ہی جانب۔ قیام کی حالت ہے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ہیں، جھکاؤ ہے تو تمام صفیں بیک وقت جھکی ہوئی ہیں۔ ظاہر کے ساتھ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج، سب کے دل ایک ہی کی یاد میں محو، سب کی زبانیں ایک ہی کے ذکر میں مترنم۔ پھر دیکھو سب کے آگے صرف ایک ہی وجود امام کا نظر آتا ہے۔ جس کے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ہوتی ہے۔ جب چاہے سب کو جھکا دے، جب چاہے سب کو اٹھا دے۔

اسلام کی زبان میں "جماعت" سے مقصود ایسا اجتماع ہے۔ انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں ہے۔

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا۔ وہ تمام تر قرآن

وسنت سے ماخوذ ہیں۔ لیکن شواہد کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

(۲)۔ دوسری چیز "السمع" ہے۔ یعنی امام جو احکام دے اُس کو سُننا اور اس سے تعلیم وارشاد حاصل کرنا۔ "السمع" کے لفظ میں قبولیت احکام وطلب تعلیم، دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔

(۳)۔ تیسری چیز "اطاعت" ہے۔ یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرماں برداری اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اس کے سپرد کر دینا اور اس کے ہر حکم کی بلا چون وچرا تعمیل کرنا۔ البتہ طاعت معروف میں ہے نہ کہ معصیت میں۔ انما الطاعۃ فی المعروف۔

(۴) چوتھی بات "ہجرت" ہے۔ ہجرت "ہجر" سے ہے۔ جس کے معنی ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ "الھجر والھجران مفارقۃ الانسان غیرہ اما بالبدن او باللسان او بالقلب والمھاجرۃ مصادمۃ الغیر ومتارکۃ۔ اسلام کی اصطلاح میں کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت وصداقت کے کسی مقصد اعلےٰ کے لیے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کر دے۔ مثلاً دولت کو، آرام اور راحت کو، عزیز واقرباء کے قرب کو، وطن ومکان کو، تو اس کا نام ہجرت الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے۔ خدا کے ہر رسول اور ان کے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں

یہ منزل طے کرنی پڑی "انی مھاجر الی ربی"۔ اور "انی ذاھب الی ربی" چوں کہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب، ہر طرح کے علاقوں کو ترک کر دینا پڑتا ہے اور اس کی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے۔ اس لیے ترک وطن کی ہجرت اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی اور زیادہ تر مہاجرت کا اطلاق تارکین وطن ہی پر کیا گیا۔

ولکل امری مانوی۔ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ (بخاری عن عمر)

یعنی ہر شخص کے لیے وہ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوئی اور جس نے اس لیے گھر چھوڑا کہ دنیا کمائے یا نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کام کے لیے ہوئی جس کے لیے اس نے گھر چھوڑا۔

پھر ہجرت کے بھی اقسام ہیں اور مراتب بعضھا فوق بعض۔ کتاب و سنت اس کی تفصیل سے لبریز ہیں۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔

(۵)۔ پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ "جہاد" جہد سے ہے۔ جس

کے معنی "استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھراً وباطناً" ہیں۔ (مفردات راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کو دور کرنے اور اپنے کو قائم وباقی رکھنے کے لیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا۔ یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے، مال سے بھی ہوتی ہے، جان سے بھی ہوتی ہے۔ جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو، ہر قسم کی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ وجاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم (رواہ احمد وابوداؤد ونسائی وابن حبان، عن انس)

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقا وقیام کی اصلی بنیاد ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جس کی قومی ہستی ان پانچ عنصروں سے مرکب نہ ہو۔ سعی وعمل کا کوئی گوشہ ہو، کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی۔ تم مٹھی بھر گیہوں کے طالب ہو، یا قطب شمالی کی تحقیق کے۔ مگر کوئی چیز بھی بغیر جماعت، اطاعت، ہجرت اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکے گی۔ دنیا نے آج تک جو کچھ پایا ہے غور کرو گے تو وہ سب انہی پانچ سچائیوں کے ثمرات ونتائج ہیں۔

مسئلہ نظامِ جماعت

حضرات! اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مختصراً اس مسئلہ کی

نسبت بھی کچھ عرض کروں جس کو میں علیٰ وجہ البصیرۃ آج تمام اعمال اصلاحیہ کے لیے بمنزلۂ اصل و اساس کے یقین کرتا ہوں۔ اور کامل بارہ سال کے متصل غور و فکر کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ بغیر اس کے کبھی عقیدۂ کار حل نہیں ہو سکتا۔ میرا اشارہ مسئلہ نظام جماعت اور قیام امارت شرعیہ کی جانب ہے۔

مسئلہ نظام جماعت سے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اصلاح حال اور ادائے فرائض شرعیہ کی استطاعت کبھی ظہور پذیر نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی موجودہ حیات انفرادی کو ترک کر کے حیات اجتماعی و شرعی اختیار نہ کر لیں۔ یعنی احکام نظام شرع کے مطابق سب ایک امیر و قائد شرع کی اطاعت پر مجتمع نہ ہو جائیں۔ اور بکھرے ہوئے متفرق قومی مرکزوں کی جگہ ایک ہی مرکز قومی پیدا نہ ہو جائے۔ یہی اصل و اساس کار ہے اور تمام مقاصد اصلاح اور مصالح انقلاب کا نفاذ و ظہور اسی کے قیام و وجود پر موقوف ہے۔

حضرات! اسلام کے نظام اجتماعی کی نسبت کسی شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں۔ علی الخصوص ایک ایسے مجمع میں جیسا کہ فضل و توفیق الٰہی سے اس وقت میرے گرد و پیش موجود ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لیے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ کسی

حال میں بھی متفرق، الگ الگ اور منتشت نہ ہوں۔ ہمیشہ مجتمع، متحد اور کنفس
واحدۃ ہو کر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں جابجا اجتماع و وحدت
پر زور دیا گیا اور کفر و شرک کے بعد کسی بدعملی سے بھی اس قدر اصرار و تاکید
کے ساتھ نہیں روکا جس قدر تفرقہ و تشتت سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام
کے تمام احکام و اعمال میں یہ حقیقت اجتماعیہ بمنزلہ محور و مرکز کے قرار پائی
اور تمام دائرہ عمل اسی کے گرد قائم کیا گیا۔ عقیدۂ توحید سے لے کر تمام
عبادات و اعمال تک یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے۔ اور اسی
بنا پر بار بار نظم جماعت پر زور دیا گیا۔ کہ "علیکم بالجماعۃ والسمع
والطاعۃ (ترمذی) اور اسی لیے نظم و قوام ملت کے لیے منصب خلافت
کو اطاعت قرار دیا گیا کہ تمام متفرق کڑیاں ایک زنجیر میں منسلک ہو جائیں۔

حضرات! اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ حالت میں ہم کوئی قدم
مقاصد و اعمال طیبہ کا اٹھا سکتے ہیں؟ کیا احیاء و تجدید ملت اور قیام شرع
و ادائے فرائض اسلامیہ کی کوئی صحیح راہ پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا محض ایک
بھیڑ اور انبوہ کو لے کر ہم وہ فرائض انجام دے سکتے ہیں؟ جن کے
لیے اولین شرط عقلاً و شرعاً وجود جماعت منظمہ اور امارت صحیحہ شرعیہ
ہے۔ چھوڑ دیجیے مصطلحات شرعیہ کو۔ اگر ان سے ہمیں اس قدر بُعد
ہو گیا ہے کہ ساری باتوں کے لیے تیار ہیں، مگر طریق شرعی اور اس کے

نظام و قوام کے الفاظ سُن کر یکایک متوحش و مضطرب الحال ہو جاتے ہیں۔ صرف انہی قواعد و اصول کو سامنے لائیے جن پر آج اقوامِ عالم عامل ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بغیر ایک قائد اور لیڈر کے کوئی جماعت اپنی ہستی قائم رکھ سکتی ہے؟ پھر وہی حقیقت تو شریعت نے لفظ امیر و امام میں مضمر رکھی ہے۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ اگر لیڈر کا لفظ کہا جائے تو آپ اُس کا استقبال کریں، اور امیر و امام کا لفظ آجائے تو نفرت و استکراہ سے پھر جائیں؟

کیا یہ وہی غلطی نہیں ہے جس کو راہ تاسیس اور راہ تجدید کی اصطلاح میں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں۔ اس کو بھی چھوڑ دیجیے۔ آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور ادائے فرض اسلامی کی سب سے بڑی نازک اور فیصلہ کُن گھڑی ہے۔ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں، جو اس وقت تک سرشارِ غفلت تھے۔ اور اب آمادہ ہوئے ہیں کہ آزادیٔ ہندوستان کی راہ میں اپنا اوّلین فرض اسلام انجام دیں۔ اس صورت حال میں بھی طریقِ کار کیا ہونا چاہیے؟ اور ایسے وقتوں کے لیے آخر اسلام نے بھی کوئی نظامِ کار بتلایا ہے یا نہیں؟ یا باوجود دعوۂ تکمیل شرع اس قدر نامراد ہو گیا ہے کہ آج اس کے پاس وقت کی مشکل و مصیبت کا کوئی حل نہیں؟ اگر بتلایا ہے تو وہ کیا ہے؟ کیا محض انجمن سازی

اور ہنگامۂ مجلس آرائی ؟ کیا محض اتباع رجال اور تقلید ارباب ظن و تخمین ؟
میں اعلان کرتا ہوں کہ اس بارے میں راہ شرعی صرف وہی ایک ہے، اور
جب تک وہ ظہور میں نہ آئے گی ہماری کوئی سعی مشکور نہیں ہو سکتی۔ جو فتنہ
آج یورپ سے اُٹھا ہے، چھٹی صدی ہجری میں بھی اس کے سیلاب
بلاد تاتار و چین سے اُٹھے تھے۔ اور تاتاریوں کے استیلا سے
تمام عالم اسلامی تہ و بالا ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی تمام بلاد شرقیہ اسلامی
کا یہی حال تھا جو آج نظر آ رہا ہے۔ لیکن اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ
کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلا ہو گیا تھا وہاں تنظیم جماعت
اور قیام شرع کے لیے ولاۃ المسلمین کے نصب و تقرر کا حکم دیا۔ اسی بنار
پر فقہار متأخرین کے یہاں اس کی تشریح پاتے ہو کہ بلاد مکرمۂ کفار میں
طلب والی مسلم واجب ہے۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ نے انہی بلاد
محکومۂ تاتار کے لیے فتویٰ دیا تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ابداً اس تغیر
پر قانع نہیں ہونا چاہیے۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی بغیر کسی امام کے
بسر نہیں کرنا چاہیے۔ یا تو وہاں سے ہجرت کر جائیں اور یا ایک امیر
نصب کر کے اپنے فرائض شرعیہ انجام دیں۔ فی الحقیقت احکام شرع
کی رُو سے مسلمانان ہند کے لیے صرف دو ہی راہیں تھیں اور اب
بھی دو ہی راہیں ہیں۔ یا تو ہجرت کر جائیں یا نظام جماعت قائم کر کے

ادائے فرضِ ملت میں کوشاں ہوں۔

حضرات! بعض اصحاب نے واضح و بین مسئلہ کی نسبت بھی شکوک و شبہات ظاہر کیے ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب اہلِ نظر و بصیرت کے نزدیک مالا یعبأ بہ میں داخل ہیں۔ اور اس لیے میں ان کے رد و نقائص، آپ کا وقت ضائع نہ کروں گا۔

بعض حضرات مسئلہ کی صحت و شرعیت تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کے لیے آمادۂ عمل نہیں کہ اس کے نفاذ میں مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں گی۔ میں عرض کروں گا کہ بلاشبہ دنیا کے ہر عمل عظیم کی طرح اس عمل کی راہ میں بھی مشکلات پیش آسکتی ہیں، لیکن یہ آپ سے کس نے کہا ہے کہ آپ کی راہ عمل آسانیوں کا باغ اور راحتوں کا عیش کدہ ہے آپ نے تو مشکلوں ہی کی طرف قدم اٹھایا ہے اور دشواریوں ہی کی طلب کی ہے۔ آپ قوموں کی قسمت پلٹنے کے لیے اُٹھے ہیں۔ اور تمام کرہ ارضی کی ظلم و ضلالت سے آپ کو مقابلہ درپیش ہے۔ آپ اگر مشکلوں سے گھبراتے ہیں تو صرف اس مسئلہ پر کیا موقوف ہے؟ عمل و عزم سے ہی کنارہ کش ہو جائیے۔

ناز پروردِ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

مسلمانانِ ہند اور نظامِ جماعت

اس بارے میں مسلمانوں کے لیے راہ عمل ہمیشہ سے الگ ہی رہی ہے۔ اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں ایک عرصہ سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے ہیں۔

"جماعتی زندگی کی معصیت" سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک "جماعت" بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے۔ وہ بالکل اس گلے کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو گیا ہو۔ وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے ہو کر اپنی جماعتی قوت کی نمائش کرنی چاہتے ہیں۔ کمیٹیاں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں "بھیڑ" اور "انبوہ" کا حکم رکھتی ہیں۔ "جماعت" کا حکم نہیں رکھتیں۔ "بھیڑ" اور "جماعت" میں فرق ہے۔ پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے۔ جب کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جب ہزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ایک جہت

اور ایک حالت، اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہیں۔

شریعت نے مسلمانوں کے لیے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کر دیے ہیں، وہاں اُن کے لیے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے۔ افراد واشخاص کوئی شے نہیں، جب کوئی قوم اس نظام کو ترک کر دیتی ہے تو گو اس کے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال وطاعات میں سرگرم ہوں، لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھ سودمند نہیں ہو سکتیں، اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ قرآن وسنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ شخصی اعمال کی اصلاح ودرستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے۔

مسلمانان ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے۔ تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے؟

کتاب وسنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں:۔

تمام لوگ کسی ایک صاحب علم وعمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔ وہ جو کچھ تعلیم دے۔ ایمان وصداقت کے ساتھ قبول کریں۔

قرآن وسنت کے ماتحت اس کے جو کچھ احکام ہوں، ان کی بلا چون وچرا تعمیل واطاعت کریں۔ سب کی زبانیں گونگی ہوں۔ صرف اسی کی زبان گویا ہو۔ سب کے دماغ بے کار ہو جائیں۔ صرف اسی کا دماغ کارفرما ہو۔ لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ۔ صرف دل ہو جو قبول کرے، صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔

اگر ایسا نہیں ہے، تو ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے، جانوروں کا ایک جنگل ہے۔ کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے۔ مگر نہ تو "جماعت" ہے نہ "امت"۔ نہ "قوم" نہ "اجتماع"۔ اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں۔ کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں۔ قطرے ہیں مگر دریا نہیں۔ کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں۔ مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر لے سکتی ہے۔

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا، نہ کہ دانہ ڈالنے کا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی جدوجہد کی تمام گذشتہ زندگی گم گشتگی وبے حاصلی میں

ضائع کردی۔ حتیٰ کہ سچ مچ وہ وقت آگیا جس کی تباہیوں کا تخیل پیدا کر کے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے۔ فقد جاء اشراطھا فانی لہم اذا جاءتہم ذکراھم؟

اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے۔ اور غم ہونا چاہیئے تو اسی کا۔ سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے مگر جب کبھی کیا جائے سچائی ہے۔ اس کے لیے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی مخالف۔ اس کے کرنے میں جس قدر دیر کی جائے گی معصیت اور ہلاکی ہے۔ لیکن جب کبھی کر دیا جائے سچائی اور نیکی ہے، اور اس کا ثمرہ زندگی اور کامرانی۔

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو، اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو۔ اور جس طرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اٹھتا ہے، یکایک اعتقاد اور عمل دونوں تمہیں یاد آجاتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے تمہاری مصیبت دائمی، تمہارا ماتم ہمیشگی کا، تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری

ساتھی ہے اور ٹھیک اسی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سائے کے ساتھ دوڑ رہی ہے۔ اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے۔

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر دیتے؟ جب تک دل و جگر کا علاج نہ ہوگا روز نئے نئے روگ لگتے رہیں گے۔ خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے۔ مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا۔

پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے صرف یہی ہے۔ کہ "ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے اور قوم و فرد دونوں اعتباروں سے ٹھیک اسلامی زندگی اختیار کر لینی چاہیے" اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائیں گے سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے۔ ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے۔

درازیِ شب و بیداریِ من این ہمہ نیست
زبختِ من خبر آرید تا کجا خفت است

حزب اللہ کا قیام

ہر مسلمان جو راستبازی کا متلاشی، اصلاح حال کا متمنی اور اسلام کے اس دورِ غربت میں خدمت و جہاد فی سبیل اللہ کی اپنے دل میں سوز و تپش رکھتا ہے۔ نیت صالح، ارادہ محکم اور اقرار واثق کے ساتھ دین الٰہی کے اس میثاق مقدس کو دُھرائے :-

ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین ۰ لاشریک لہ وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین ۰

ترجمہ :- میری عبادت، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا غرضیکہ ہر چیز صرف اللہ "رب العالمین" کے لیے ہے۔ اس قربانی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا "مسلم" ہوں۔

(ابوالکلام)

تشکیل حزب اللہ اور طریقۂ کار

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ

اَلتَّآئِبُوْنَ
الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ
السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ
السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَ
النَّاھُوْنَ عَنِ
الْمُنْکَرِ وَالْحَافِظُوْنَ
لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَ
بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝
(۹ : ۱۱۳)

وہ جو توبہ کرنے والے ہیں، اللہ
کے عبادت گذار ہیں، اس کی حمد وثنا ہمیشہ
ورد زبان رکھتے ہیں، اس کی راہ میں اپنے
گھروں کو چھوڑ کر سفر کرتے ہیں، اس کے آگے
رکوع وسجود میں مشغول رہتے ہیں، نیک کاموں
کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکنے والے
ہیں۔ اور سب سے آخر یہ کہ اللہ نے جو حدود قائم
کر دیے ہیں ان سب کے محافظ ہیں۔ تو ایسے
مومنوں کو دین و دنیا کی فتح یابیوں کی خوشخبری
سنا دو!"

غیر من در پس این پردہ سخن سازے ہست
راز دل نتوان داشت کہ غمازے ہست

زخم کاریست، صراحی و قدح برچینید
نیم بسمل شدۂ بر سر پروازے ہست

بلبلان روز گلستان بہ شبستان آرند
کہ درین کنج قفس زمزمہ پردازے ہست

عشق بازیم بہ معشوق مزاجے انداخت
زان نیازیم کہ با اوست، بخود نازے ہست

گو کہ این صف شکنان قصد ضعیفان نکنند
کہ درین قافلہ گاہے قدر اندازے ہست

تو مپندار کہ این قصہ بخود مے گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

دی نظیری زرسید ست کہ امروز رود
صحبتے را بود انجام کہ آغازے ہست

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ آج دنیا پھر تاریک ہے۔ وہ روشنی کے لیے پھر تشنہ لب ہے۔ وہ پھر سو گئی جس سے بار بار اُسے جگایا

گیا تھا، اور پھر اُسے بھول گئی ہے جس کی تلاش میں بار بار نکلی تھی۔ اس کا وہ پُرانا دُکھ جس کے علاج کے لیے خدا کے رسولوں نے آہ و زاری کی، اور جس کو چھٹی صدی عیسوی میں اللہ کے ہاتھوں سے آخری مرہم نصیب ہوا، آج پھر تازہ ہو گیا ہے۔ جو تاریکی چھٹی صدی عیسوی میں جہالت نے پھیلائی تھی جب کہ اسلام کا ظہور ہوا تھا، ویسی ہی تاریکی آج تہذیب و تمدن کے نام سے پھیل رہی ہے جب کہ اسلام اپنی غربت اُولیٰ میں مبتلا ہے۔ اگر اُس زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی تاریکی بُت پرستی تھی، تو اس کی جگہ آج ہر طرف نفس پرستی چھا گئی ہے۔ پہلے انسان پتھر کے بُتوں کو پُوجتا تھا، اب خود اپنے تئیں پوجتا ہے۔ خدا کی پرستش اس وقت بھی نہ تھی اور اس کے پوجنے والے آج بھی نہیں ہیں۔

دنیا کی وہ کونسی پُرانی بیماری ہے جو آج پھر عود نہیں کر آئی ہے؟ جب کہ وہ بیمار تھی تو کیا اُس کی حالت ایسی ہی نہ تھی جیسی کہ آج ہے؟ وہ پتھر کی چٹان پر بیماری کی کروٹیں بدلتی ہو گی، اب چاندی اور سونے کی پلنگ پر لیٹ کر کراہتی ہے۔ لیکن بیمار کے بستر کے بدل جانے سے بیمار کی حالت نہیں بدل سکتی۔ جنسی اور نسلی تعصّبات کروڑوں طاقتور انسانوں کو اپنا اسلحہ بنائے ہوئے ہیں۔ ضعف اور

کمزوری سے بڑھ کر قوموں اور ملکوں کے لیے کوئی جرم نہیں۔ ہر قوم جو طاقت رکھتی ہے خدا کی تمام دنیا کو صرف اپنے ہی لیے سمجھتی ہے۔ اور اس کے کمزور بندوں کے لیے عدالت کے ایک جج کی طرح موت کا فتویٰ صادر کرنے میں بالکل بے باک ہے۔ حق اور عدالت کے الفاظ لفظاً جس قدر زیادہ دُہرائے جا رہے ہیں معناً اتنے ہی متروک ہو گئے ہیں۔ اور نوع انسانی کی مساوات و امنیت کی حقیقت، قوت کے زور اور طاقت کے ادعا سے پامال ہے۔

انسان لہو و لعب حیات اور غرور زخارف دنیوی کے نشے سے شاید ہی کبھی اس درجہ بدمست ہوا ہوگا جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے۔ اس کی معصیت پرستی قدیمی ہے اور شیطان اسی وقت سے موجود ہے جس وقت سے کہ انسان ہے، تاہم معصیت کی حکومت اتنی جابر و قاہر کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور شیطان کا تخت اس عظمت و بدبے سے کبھی بھی زمین کی سطح پر نہیں بچھایا گیا تھا جیسا کہ اب قائم و مسلط ہے۔ یہ سب کچھ جہالت کے زمانے میں نہیں ہو رہا۔ بلکہ علم و مدنیۃ کے گھمنڈ میں۔ بیماری وہی ہے جس نے خاک و گرد پر دنیا کو لوٹایا تھا "البتہ اب وہ سنہری پلنگ پر لیٹ گئی ہے، اور موتیوں کی مسہری کے پردے چارطرف گرا دیے گئے ہیں۔ ایسا ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ چشمہ خشک

ہو گیا ہے اور وہ نالیاں مٹی سے بھر گئی ہیں جن کی آب پاشی سے خدا پرستی کا چمن شاداب رہتا تھا۔" دنیا کی ہر چیز نمک سے نمکین بنائی جاتی ہے، پر اگر نمک کا مزہ پھیکا ہو جائے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا؟" (متی - ۵ : ۱۳)

جو قوم دنیا کی اصلاح کے لیے آئی تھی، اگر وہ خود ہی اصلاح کی محتاج ہو جائے تو پھر کون ہے جو دنیا کی اصلاح کرے گا؟

خدا ہمیشہ اس کام کے لیے اپنی جماعت بھیجتا ہے۔ اور خدا نے مسلمانوں ہی کو حزب اللہ یعنی اپنی جماعت قرار دیا۔ پھر اگر وہی حزب الشیاطین کا ساتھ دینے لگیں تو اللہ کے پاس جانے والے کن کو ڈھونڈیں؟

پس آج وقت آ گیا ہے کہ اسلام پھر ایک مرتبہ اپنے اس فرض کو دہرائے جو وہ ایک بار انجام دے چکا ہے۔ اور مسلمان اپنی اصلاح خود اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے کریں۔ تاکہ اُن کی درستگی سے تمام عالم درست ہو، اور چشمے کی روانی سے تمام کھیت سرسبز ہو جائے۔

اسلام کا مشن ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ دنیا جس قدر اس کی تعلیم کی اُس وقت محتاج تھی جب کہ چھٹی صدی عیسوی کے اندر

جزیرہ نمائے عرب سے اپنی صورت دکھلائی تھی، اس سے کہیں زیادہ آج بھی اس کے کاموں کی محتاج ہے۔ اس کو اپنے امن و نظام کے لیے اپنی عدالت و صداقت کے قیام کے لیے اپنی سفاکیوں اور بے رحمیوں کے ازالے کے لیے، اپنی صلح عام اور امنیت عمومی کے ظہور کے لیے، اصلاح انسانیت اور استیصال سبعیت و بہمیت کے لیے، اور سب سے آخر یہ کہ خدا کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو پھر جوڑنے کے لیے صرف اسلام ہی کی ضرورت ہے اور صرف اسلام کی۔ اسلام کے فرزند خود اسلام سے بے نیاز ہو گئے ہوں، مگر دنیا ابھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

امّۃ وسطا:- لیکن آج جو آتش دان خود آگ سے خالی ہو گا وہ کمرے کو گرم نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان سب سے پہلے خود اپنے اندر تبدیلی کریں، کیوں کہ ان کی تبدیلی پر تمام عالم کی تبدیلی موقوف ہے۔

اس کے لیے رسمی انجمنوں کا قائم کرنا بیکار ہو گا۔ اور روپیہ کی فراہمی سے دلوں کی جمعیت ممکن نہیں۔ اس کے لیے وہ تمام طریقے بھی بیکار رہوں گے جن کا بلند سے بلند نمونہ آج کل کے کام پیش کر سکتے ہیں۔ عمدہ مقاصد کے اعلان سے عمدہ نتائج نہیں حاصل ہو جاتے۔

اگر صرف مفید تعلیمات اور مواعظ کا دُھرا دینا ہی کسی قوم میں تبدیلی پیدا کر سکتا ہے تو یہ پیشتر ہی سے اس قدر موجود ہے کہ اب اس کے لیے کسی نئی جماعت کی ضرورت نہیں۔ اصول معلوم ہیں اور تعلیمات چھپے ہوئے راز نہیں ہیں۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ انہی اصولوں اور تعلیموں کے ماتحت اعمال و افعال کے اندر تبدیلی پیدا ہو۔

اذهبُوا فتجسّسُوا:۔ اس کا وسیلہ ایک ہی ہے جیسا کہ ہمیشہ رہا ہے۔ یعنی ضرورت ہے کہ جس کو دنیا نے ہمیشہ ڈھونڈا ہے۔ اسی کی تلاش و جستجو میں آج پھر نکلے، جس پانی کے لیے وہ ہمیشہ پیاسی ہوئی ہے اسی کے لیے پھر آوارہ گردی کرے، جس مقصود کی تڑپ میں ہمیشہ مضطر رہی ہے اسی کو پھر پکارے۔ یعنی عشق الٰہی کی ایک ایسی جماعت اکٹھی ہو جو صرف خدا کے لیے ہو اور انسانوں میں رہ کر اپنے تئیں انسانوں سے الگ کر لے کہ:۔

"ترک ہمہ گیر و آشنائے ہمہ باش"

باوجود اعلان ختم سخن ۱۹ ذی الحجۃ کی اشاعت میں میں نے پچھلی صحبتوں کی بہت سی باتیں دھرائیں، اور بہت سی نئی باتیں بھی کہیں۔ یہ اس لیے تھا تاکہ اس نقطۂ کار کو تمہارے ذہن نشین کر سکوں کہ جب تک اصلاح عالم کے ان الٰہی سلسلوں کے ماتحت ہم ایک جماعت

پیدا نہ کریں گے، جو دنیا میں ہمیشہ تاریکیوں اور گمراہیوں کے انتہائی دَوروں میں ظاہر ہوئے ہیں، اور جب تک ہماری کوشش انسانی جماعتوں اور انجمن آرائیوں کی جگہ خدا کے رسولوں اور نبیوں کے اعمال سے نسبت پیدا نہ کریں گے، اس وقت تک ہم کچھ نہیں کر سکتے نہ ہمارا وجود خود اپنے لیے مفید ہو سکتا ہے نہ دنیا کے لیے۔

اب غور کرو کہ پچھلی صحبتوں میں میں کن امور کی طرف اشارہ کر چکا ہوں؟ میں نے کہا کہ دنیا نے اپنی ہر اصلاح و دعوت کے دَور میں ایک ہی مقصود کو ڈھونڈا ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ آج بھی اسی کو ڈھونڈھو۔ میں نے کہا کہ اس کی تلاش و جستجو کی آخری پکار وہ تھی جو داعی اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے دنیا کی آخری فراموشی و غفلت کے وقت بلند کی، پس میں کہتا ہوں کہ آج بھی اُسی صدا کو بلند کرو۔ میں نے کہا کہ اصلاح و دعوت کی پہلی بنیاد جماعت اور اس کا عملی نمونہ ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ آج بھی "جماعت" اور "نمونہ" کے سوا کوئی شئی مطلوب نہیں۔ میں نے کہا کہ اسلام نے صحابہ کرام کی ایک جماعت پیدا کی جن کا ہر فرد اپنے اندر دعوۃ اسلامی کا ایک عملی نمونہ رکھتا تھا اور وہی نمونہ تھا جس کا ایک ہی نظارہ ملکوں اور اقلیموں کی فتح و تسخیر کے لیے کافی تھا۔ پس میں آج بھی ان سب سے جو دل اور آنکھ رکھتے ہیں۔ اور

جن کی آنکھیں اشکبار ہونا اور جن کے دل خوں چکاں ہونا جانتے ہیں، عاجزی کر کے اور گڑگڑا کے یہی کہتا ہوں کہ اپنے اندر نمونہ پیدا کرو۔

ہاں! میں نے کہا تھا کہ انسانی دلوں کی تبدیلی انسانی صداؤں سے نہیں ہو سکتی، اس کے لیے ضرورت ہے کہ اپنی زبان کے اندر سے خدا کی آواز بلند کرو۔ لیکن خدا کو تم کیونکر پاؤ گے جب کہ اس قدوس و قدیم کے لیے تمہارے پاس گھر ہی نہیں ہے؟ اس محبوب و مطلوب کو کہاں بٹھاؤ گے، جب کہ تمہارے پہلو میں اس کے بسنے کے لیے کوئی اُجڑا ہُوا دل ہی نہیں ہے؟

معمورۂ دلے اگرت ہست باز گوئے
کین جا سخن بہ ملک فریدوں نے رود

اس کے قدوم حُسن سے صرف وہی دل رونق پا سکتے ہیں جو اس کی محبت میں ویران ہو چکے ہیں۔ مگر محبت کا اوّلین ثبوت محبوب کی اطاعت اور خود فروشانہ بندگی ہے:۔

ان المحب لمن یحب یطیع

حزب اللہ:۔ پس ان تمام راستباز روحوں کے لیے جو دین الٰہی کی غربت پر کڑھتی اور روتی ہیں، ان تمام مومن و مسلم دلوں کے

لیے جو حق کی مظلومی اور امنیت و عدالت کی بے بسی کو دیکھ کر غمگین ہیں، اور ان تمام خدا پرست انسانوں کے لیے جو اپنے خدا کو چھوڑنا اور اس سے اپنا رشتہ منقطع کرنا نہیں چاہتے، "حزب اللہ" کی دعوت ایک پیامِ الٰہی ہے، جو خدا کے برگزیدہ رسولوں اور ان کے متبعین و رفقا۔ کے سلسلوں کے ماتحت چاہتی ہے کہ راستبازی اور صادق العملی کے ساتھ، مومنین مخلصین اور مسلمین قانتین کی ایک جماعت پیدا ہو جو اپنے تئیں "حزب اللہ" یعنی مومنین صادقین کہلانے کی اہل و مستحق ثابت کرے۔ اگر ایسا ہُوا تو پھر خدا اُسے اپنے کاموں کے لیے اُسی طرح چن لے گا، جیسا کہ ہمیشہ اُس نے چُنا ہے۔ اور اُسے وہ نسبت نبوت و صدیقیت حاصل ہو جائے گی جو مامورین الٰہی کے متبعین کو فنا، اتباع و اطاعت کے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے، اور جس کو لسان الٰہی نے مقام "معیت" سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں جا بجا کہا گیا :-

(۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ "مَعَهٗ"

(۲) قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ "مَعَهٗ"

(۳) مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ "مَعَ" الَّذِيْنَ اَنْعَمَ

اللّٰہ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ
وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝

(۴) کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

پس جیسا کہ تیسری آیت سے ظاہر ہے، جو لوگ جماعۃ (التی انعم اللہ علیہا) کی اطاعت و متابعت کے ذریعہ انبیاء و شہداء اور صدیقین و صالحین کے مقامات الٰہیہ سے نسبت "معیت" حاصل کریں گے، وہ ان تمام انوار الٰہیہ اور برکات ربانیہ کا مورد و مہبط ہوں گے، جو انبیاء وصدیقین کے لیے مخصوص ہیں، اور من جملہ اُن برکات نبوت کے ایک بہت بڑی برکت، دعوت و اصلاح کی فتح مندی اور تغیرات ممالک و اُمم ہے۔ اُمتوں کی اصلاح کرنا، خدا سے اس کے غافل بندوں کو ملا دینا، اعتقاد و اعمال کے عالم کو یکسر پلٹ دینا، نئی قوموں اور نئی جماعتوں کو پیدا کر دینا، پھر نتیجہ کی ناکامی سے بے خطر، اور تمام قوار مادیہ و دنیویہ کے حملوں سے بے پروا رہنا، اور اسی طرح کی وہ تمام باتیں جو دلوں اور روحوں کی سرزمینوں میں انقلاب و تغیر پیدا کر دیتی ہیں، وہ سب کے سب صرف خدا کے رسولوں اور اس کے بھیجے ہوئے ربانی مصلحین ہی کے کام ہیں۔ محض انسانی دماغ سے اُٹھے ہوئے جوش اور انسان کے گھڑے ہوئے چند جماعتی کھلونے خدا کے ان کاموں کو انجام نہیں

دے سکتے۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا سے امان اُٹھ جائے۔ اور ہر انسان دلوں کا مالک اور ہر ارادہ قوموں کا تسخیر کنندہ بن جائے۔

شروط کار:۔ لیکن ایسا ہونے کے لیے ضرور ہے کہ کامل خلوص اور سچی قربانی کے ساتھ خدا کے چند مخلص بندے اس کے نام پر اپنے تئیں عام لوگوں سے الگ کر لیں، اور خدا اور اُس کے سچے مومنوں میں عہد و میثاق اسلام کی ایک مرتبہ پھر تجدید ہو جائے۔ وہ گو ابھی عمل میں ناقص ہوں لیکن ضرور ہے کہ تلاش و تشنگی میں پکے ہوں۔ اور گو اس کی راہ میں غم نہ اُٹھا سکتے ہوں مگر اُس کی یاد میں ضرور غمگین ہوں کچھ ضرور نہیں کہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔ کیونکہ دنیا میں تعداد نہیں بلکہ ہمیشہ تنہا صداقت کام کرتی ہے۔ اور ایک ہی سُچے موتی کا ہار میں ہونا اس سے بہتر ہے کہ کانچ کے چمکیلے ٹکڑوں کا پورا ہار بنایا جائے۔ یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ جاہ و حشمت کے مالک اور بڑے بڑے مکانوں میں رہنے والے اور قیمتی پوشاکوں سے حسین و شاندار ہوں، کیونکہ صداقت کا گھر ہمیشہ سے خاک و گرد ہی میں رہا ہے۔ اور جہاں ویران دل مطلوب ہوں وہاں آباد و پُر رونق جسموں کی ضرورت نہیں۔

ہاں وہ جماعت خواہ تعداد میں کتنی ہی قلیل و اقل، اور عزت و شوکت دنیوی کے اعتبار سے کیسی ہی ذلیل و اذل ہو، پر ضرور ہے کہ

اس کا ظاہر جتنا حقیر ہو، اتنا ہی اس کا باطن عزیز و جلیل ہو۔ اس کے چہرے گرد فلاکت سے سیاہ پر دل نورِ صداقت و حق پرستی سے تابندہ و درخشاں ہوں۔ اس کے جسم پر پھٹے ہوئے کپڑے ہوں مگر دوش ہمت پر تاج و تخت حکومت کی مخمل چادروں سے بھی بڑھ کر قیمتی ردائیں پڑی ہوں وہ پہاڑوں کی چٹانوں سے بڑھ کر محکم ارادہ، اور لوہے کے ستونوں سے زیادہ مضبوط ہمت لے کر اُٹھے، اور بہ یک دفعہ و بہ یک دم محسوس کرے کہ اس کے پاس زندگی کی قوتوں میں سے جو کچھ تھا، وہ اب اس کا نہ رہا بلکہ اسلام اور خدائے اسلام کے سپرد ہو گیا۔ اس کی جان جو اسے اتنی محبوب ہے کہ اگر ایک ہزار برس تک بھی چھوڑ دی جائے جب بھی اس کا جی نہ بھرے، وہ سمجھے کہ اب ایک لمحہ اور ایک لمحہ کے دسویں حصے کے لیے بھی اُسے محبوب نہ رہی۔ وہ مال و دولت جس کے ایک حقیر سے حقیر حصے کی حفاظت کے لیے وہ بسا اوقات اپنی جان جیسی محبوب شئے کی بھی پروا نہیں کرتا، خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اگر راہ حق میں اُسے لٹانے کی ضرورت پیش آجائے تو خاک کے ڈھیر اور کوڑا کرکٹ کے انبار میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ اہل و عیال، عزیز و اقارب، جن کی محبت کی زنجیریں اس کی رگِ جاں سے بندھی ہوئی ہیں، خود اس کا دل اندر سے پکار اُٹھے کہ راہ حق میں ان کی

بندش کچے تاگے کی قوت سے بھی کمزور ہے۔ اگر خدا تک پہنچنے کے لیے ان کو توڑنا ضروری ہو تو ایک ہی جھٹکے میں وہ پارہ پارہ ہو سکتی ہیں :-

آں کس کہ ترا بخواست، جاں را چہ کند؟
فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند؟
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند؟

قُلْ إِنْ كَانَ	اگر تمہارے باپ تمہارے فرزند تمہارے
آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَ	بھائی تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان،
إِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ	تمہاری وہ دولت جو تم نے کمائی ہے، وہ
وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ	کاروبار جس کے نقصان کا تمہیں ہر وقت
نِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ	اندیشہ لگا رہتا ہے، وہ مکان دجائداد جو تمہیں
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ	نہائت محبوب ہیں غرضکہ یہ تمام چیزیں اگر تمہیں
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ	اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں صرف
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ	قوت کرنے سے زیادہ محبوب عزیز ہوں تو پھر
اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ	خدا کی راہ سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ اُسے جو
فِيْ سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا	کچھ کرنا ہے کر گذرے۔ وہ اپنے کاموں کے لیے تمہارا
حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ	محتاج نہیں ہے اور اس کی ہدائت ان کے لیے

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۹ : ۲۴) — نہیں ہے جن کے اندر ایمان کے ایثار و قربانی کی جگہ فسق کی نفس پرستی بھری ہوئی ہے۔

پس اگر یہ سب کچھ تم کر سکے اور خدا کی راہ میں قربانی کے اس جانور کی طرح زمین پر گر گئے، جس کے لیے چھری تیز کی جا رہی ہو۔ تو میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ اس آسمان کے نیچے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو خدا کی راہ میں قربان ہونے والوں کے حکم سے باہر ہو۔ جن چیزوں کی آرزو میں تم کڑھتے ہو مگر تمہیں نہیں ملیں، جس عنقائے حریت کی تلاش میں تم سرگرداں ہو مگر ہاتھ نہیں آتا، جن مصائب قومی اور فلاکت ملی کے دور کرنے کے لیے آہ و واویلا مچاتے ہو مگر جس قدر اس کی گرہیں کھولنا چاہتے ہو، اتنی ہی وہ اور سخت ہوتی جاتی ہیں، یہ سب چیزیں خود بخود تمہارے پاس آ جائیں گی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان زخارف کی کیا ہستی ہے؟ وہ مقصود و مطلوب اعلیٰ جو تمہاری ہستی کا اصلی نصب العین ہے مگر جسے تم بھولے ہوئے ہو، وہ بھی تمہیں خود ڈھونڈھے گا تاکہ تمہارے سامنے نمایاں ہو، اور تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دے۔

پھر تمہاری دعوت ایک تیر ہوگی جو دلوں کو نخچیر کیے بغیر نہ رہے گی۔ تمہاری ایک گردش چشم ہزاروں دلوں کو منقلب کر دے گی۔

تمہارے ایک اشارۂ ابرو پر لاکھوں روحیں زمین پر لوٹتی اور خاک پر تڑپتی ہوئی تمہارے پیچھے روانہ ہو جائیں گی۔ تمہاری زبان سے جو کچھ نکلے گا، اللہ کے فرشتے اُسے اپنے نورانی پروں پر اُٹھالیں گے۔ اور تم جب کبھی پکارو گے تو اثر و قبول کی ارواح سماویہ تمہاری صداؤں کو اپنی آغوش میں لے لیں گی تاکہ دلوں کی جگہ زمین پر گر کر ضائع نہ ہوں۔ اگر زمین کے بسنے والے تمہارا ساتھ دینے سے انکار کر دیں گے تو یقین کرو کہ خدا اپنے ملائکۂ مسومین اور کرّوبیان مقربین کو اتارے گا۔ وہ تمہارے پیچھے چلیں۔ اور اگر انسانوں کے دل تمہاری صداقت اور حقانیت سے انکار کریں گے تو وہ ہوا کے پرندوں، دریاؤں کی موجوں، پہاڑوں کی چوٹیوں، اور درختوں کی ڈالیوں کو حکم دے گا کہ تمہاری سچائی اور راستبازی پر گواہی دیں۔ اور میں تم سے سچ سچ آسمانوں اور زمینوں کے مالک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح مجھے اپنے وجود کا یقین ہے، بالکل اسی طرح اس کا بھی یقین ہے کہ حق اور راست بازی میں وہ قوت ہے کہ اگر وہ چاہے تو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دے اور سمندروں کی موجوں پر اپنا تخت بچھا دے۔

عزیزانِ ملت! جب کہ تمہارے اعمال کے اندر قرآن کی روح جاری و ساری ہو جائے گی تو پھر تم خدا کے کلام کے حاصل ہو گے۔

اور خدا کا کلام بہت سے انسانی دلوں کو جو گوشت کے ریشوں سے بنے ہیں، نرم نہ کر سکے، مگر پہاڑوں کی چٹانوں کو تو اپنی جگہ سے ہلا دیتا ہے!

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا	اگر ہم نے قرآن کو کسی عظیم الشان پہاڑ
الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ	پر نازل کیا ہوتا، تو تم دیکھتے کہ یہ پتھر کا وجود
لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا	بھی خوفِ الٰہی سے اللہ کے آگے جھک جاتا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ	اپر افسوس کہ انسان سنتا ہے مگر سرکشی سے
اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ	باز نہیں آتا) اور یہ تمثیلیں ہم لوگوں کے
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ	لیے بیان کرتے ہیں تاکہ سوچیں اور غفلت
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝	سے باز آئیں !! ۔

(۵۹ : ۲۱)

اس میں شک نہیں کہ میری تمہید طویل اور انتظار کا زمانہ منتظروں پر شدید تھا۔ تاہم میری طبیعت کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھی کہ اپنے دل کی تمام آرزوؤں کو ظاہر کیے بغیر کسی کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دوں۔ پھر یہ بھی تھا کہ اسی ضمن میں ارادوں کا استقلال اور طلب کی صداقت کے لیے بھی ایک ابتدائی آزمائش تھی کہ جو لوگ چند دنوں تک سماعِ مطلب کا انتظار نہیں کر سکتے، وہ آگے چل کر خطراتِ سفر کے لیے کیونکر مستعد ہو سکتے ہیں؟

لیکن اب کہ میں اپنی تمہید ختم کر چکا ہوں اور میری آرزوئیں بے نقاب اور میری خواہش غیر مستور ہے، تو ہر شخص کو موقعہ حاصل ہے کہ اپنے دل سے پوری طرح سوال و جواب کر لے اور کل کے لیے کوئی بات سوچنے اور سمجھنے کی اُٹھا نہ رکھے۔ اس سفر کا ارادہ خدا نے میرے دل میں ڈال دیا ہے۔ اور اگر پانی میرے پاس نہیں ہے تو الحمد للہ کہ اپنی پیاس کی طرف سے تو مطمئن ہو گیا ہوں۔ میں اُٹھا ہوں اور اب چلوں گا۔ میرا چلنا اٹل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حرکت مقدر ہو چکی ہے۔ میرے پاؤں میں سب سے زیادہ بوجھل زنجیر اپنے نفس اور اس کی ہوا پرستی کی ہے۔ جس کے ولولوں اور چھپی ہوئی معصیت پرستوں کے طوفانوں میں ہمیشہ موجیں اُٹھتی رہتی ہیں، اور میرے ارادے کو تہ و بالا کر دینا چاہتی ہیں۔

صد دیدباں اگر چہ بہ ہر سو گماشتیم

اس کے بعد اپنے وجود سے باہر نفس انسانی کے فتنہ ہائے ابلیسی کے بند و علائق ہیں، جو گو بہت سے ٹوٹ چکے ہیں۔ لیکن جتنے باقی ہیں، وہ بھی کم نہیں۔ اور ایسے سخت ہیں کہ بعض اوقات انہیں توڑنے کی کوشش کرتے کرتے تھک جاتا ہوں، اور قریب ہوتا ہے کہ میری انگلیوں سے خون بہنے لگے:۔

ہزار رخنہ بدام و مرا بہ سادہ دلی
تمام عمر در اندیشۂ رہائی رفت

اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۸ : ۲۹)

میں اس راہ کی سختیوں سے بے خبر نہیں ہوں، لیکن ان کی سختیوں ہی کے اندر اپنے نام کی پکار پاتا ہوں؛ بارہا ایسا ہوا کہ نفس کی شرارتوں نے کانوں میں اُنگلیاں ڈالیں، اور دل کی غفلت نے خوب شور مچایا، تاکہ اُس آواز کو نہ سن سکوں اور اس کی طرف سے غافل ہو جاؤں۔ ایسا بھی ہوا کہ دن پر دن اور راتوں پر راتیں اسی کش مکش میں گذر گئیں اور مدت کے ولولہائے معصیت یکایک زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھے، تاہم یہ وقت بھی گذر گیا، اور کان لگا کر غور کیا تو بند ہونے پر بھی ایک صدا تھی جو اس کے کانوں کے اندر گونج رہی تھی۔

تو مپندار کہ این زمزمہ بے چیزے ہست
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

میں درمیان میں اپنی آواز بلند کر کے پھر چپ ہو گیا تھا کیوں کہ جب میں نے اپنی جانب دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابھی چند دنوں اور اپنی آزمائش کی ضرورت باقی ہے۔ اس راہ میں دعوت دینے کے لیے

مقدم شرط یہ تھی کہ میں خود بھی اس طرح طیار اور آمادہ ہو بیٹھوں کہ جس دن آغاز سفر کا اعلان کروں اس دن سب سے پہلے خود اپنے پاؤں کو تمام زنجیروں سے خالی دیکھوں پس میں اپنی فکروں میں غرق ہو گیا۔ اور جس قدر زمانہ توقف کا خدا کو منظور تھا اس عالم میں بسر ہو گیا۔

لیکن مجھے نظر آیا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ پانی اتنے اونچے تک پہنچ گیا ہے کہ اب دریا سے بھاگنا محال ہے' اور قریب ہے کہ مدت کے بھاگے ہوئے غلام کے پاؤں میں آخری مرتبہ ایسی بوجھل زنجیر ڈال دی جائے کہ پھر کبھی بھی اس کے پاؤں اس چوکھٹ سے باہر نہ نکل سکیں :-

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد

کہ بستگان کمند تو رستگارانند

الحمدللہ کہ اللہ کی توفیق رفیق نے مجھے نہ چھوڑا' اور جن کو وہ چھوڑ دے تو اس کی دنیا میں پھر کون ہے جو انہیں پناہ دے سکتا ہے؟

تو گر بہم زنی سودائے دل بارے زیاں داری

مرا سرمایۂ دنیا و دیں نابود مے گردد

میں اب بہ ہمہ وجوہ مستعد سفر ہوں اور ہم رہان سفر کے لیے صلائے عام ہے :-

مردانہ قمارے کن، دستے بارو عالم زن!
فصلے کہ نہی برنہ، نقشے کہ زنی کم زن!

ہر دم چو فلک لعبت، از پردہ بروں آرد
ایں شعبدہ یک سو نہ، ویں معرکہ برہم زن

گر مہر نہی بر دل، از شوق پیاپے نہ!
در قفل زنی بر لب، از رطل دما دم زن!

تو بہر چہ خاموشی؟ کز عقل نیندیشی
من پاس گہر دارم، غواص نہ دم زن؟

مینائی جان خواہی، شمشیر تبارک زن!
آگاہیٔ دل جوئی، الماس بہ مرہم زن!

مومن نتواں گفتن، عاشق کہ مجاہد نیست
رو بوسہ چو سربازاں، بر طرۂ پُرخم زن!

طریق کار و آغازِ عمل

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝

یہ جماعت حزب اللہ کے نام سے موسوم ہوگی کہ خدائے تعالےٰ
نے مومنین مخلصین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے:۔
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ ہ

مقصد وحید:۔

اتباع اسوۂ حسنۂ ابراہیمی و محمدی علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

بحکم:۔

(۱) لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔
(۲) قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَالَّذِیْنَ
مَعَہٗ۔

دستور العمل:۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ
الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ
عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ

خدا تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں آٹھ وصفوں کو بیان کیا ہے۔ جو
مومنوں میں ہونی چاہئیں۔ یا آٹھ قسم کے درجوں کو بیان کیا ہے۔ جن
میں سے ہر درجہ پچھلے سے اعلےٰ و اکمل ہے۔ اور یہی اس جماعت کا
دستور العمل اور طریق کار ہوگا۔

۱۔ "التائبون"۔ اصلاح وتزکیہ نفس کا اولین مرتبہ توبہ و انابت ہے، یعنی بندے کا اپنے اعتقاد و اعمال کی تمام گمراہیوں اور غفلتوں سے کنارہ کشی کرنا، اور اللہ کے حضور عہد واثق کرنا کہ وہ آئندہ اس کی مرضات کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائے گا۔

۲۔ "العابدون" وہ جو مقام انابت کے بعد مقام عبادت تک مرتفع ہوئے۔ مقام توبہ و انابت گذشتہ کا ترک تھا، عبادت حال و مستقبل کا عمل ہے۔

۳۔ "الحامدون" وہ لوگ جو دنیا میں انسانی اعمال کی مدح و ثنا، اور اغراض و مقاصد نفسانیہ کے غلغلے کی جگہ خدائے قدوس کی حمد و ثنا کی پکار بلند کریں، اور جو توفیق الٰہی سے اس انقلاب کا وسیلہ بنیں کہ دنیا مادہ پرستی کے شور سے نجات پا کر حمد الٰہی کے ترانوں سے معمور ہو جائے۔

۴۔ "السائحون" یعنی وہ لوگ جو حق اور صداقت کی راہ میں اپنے گھر اور وطن کے قیام کو ترک کر کے، فرزند و عیال اور دوست و احباب کی الفت سے بے پروا ہو کے، اور سفر کی تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کو خوشی خوشی جھیل کر نکلیں۔ اور خدا اور اس کی صداقت کے عشق میں شہر بہ شہر، کوچہ بہ کوچہ گشت لگائیں، خدا کی دعوت کی صدا ان کی زبانوں

پر ہو اور ہدائت الٰہی کی امانت دلوں میں۔ وہ ان دیوانوں کی طرح جو فراق محبوب میں جنگلوں کی خاک چھانتا، اور آبادیوں اوران کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے، ہر جگہ پھریں، اور اس بھکاری فقیر کی طرح جو ایک ایک دروازے پر صدا لگاتا، اور ہر شخص کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، دنیا کے ہر گوشے میں پہنچیں۔ کہیں ہدائت کی صدا لگائیں تو کہیں سچے دلوں کا سوال کریں۔ جس شخص کی جیب کو وزنی اور دل کو فیاض پائیں، اس کے دروازے کا پتھر بن کر جم جائیں۔ اگر وہ دعاؤں سے خوش ہو تو دعائیں دیں، اگر دل کا نرم ہو تو فقیرانہ صدائیں سنائیں۔ اگر دردمند ہو تو عاجزی کی صورت بنا کر منتیں کریں۔ غرض کہ جب تک اپنے شکار کو قابو میں نہ کرلیں، اس کے دروازے سے نہ ٹلیں۔

پھر سفر کی مختلف صورتیں اور مختلف مراتب ہیں اور لسان الٰہی نے "سائح" کا لفظ استعمال فرمایا کہ سب پر حاوی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نیک نیتی کے ساتھ جو تاجر غیر ممالک کا سفر تجارت کے لیے کرے، جس کو قرآن کریم نے اللہ کے فضل سے جا بجا تعبیر کیا ہے، یا علوم مفیدہ و فنون نافعہ کی تحصیل کے لیے اپنا گھر چھوڑے، جس کو خدا نے خیر کثیر بتلایا ہے، یا اسی طرح کوئی دوسرا مقصد اُن اغراض میں سے ہو، جن کو دوسری قومیں سیاست و تمدّن وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتی ہیں، تو وہ تمام صورتیں بھی اسی

وصف ایمان و اسلام میں داخل ہیں، اور اس طرح کا سفر کرنے والا بھی مرتبۂ "سائحون" سے فائز، نیز اس کے تمام برکات سے بہرہ اندوز ہے۔ انشاء اللہ جب اس آیۂ کریمہ و عظیمہ کی تشریح بہ ضمن مقاصد "حزب اللہ" عرض کروں گا، تو یہ تمام باتیں اپنے ادلہ و براہین کے ساتھ بصیرت افروز ہوں گی۔ نیز بعض ایسے معارف و حکم قرآنیہ بھی سامنے آئیں گے جن پر اب تک بہت کم تدبر و تفکر کیا گیا ہے۔

۵۔ "الراکعون" بظاہر "الراکعون" اور اس کے بعد کا وصف "الساجدون" ایک ہی چیز یعنی نماز کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پہلے رکوع ہے اور پھر سجود۔ لیکن دراصل یہ دو علیحدہ علیحدہ وصف یا دو علیحدہ علیحدہ مرتبوں کی جماعتوں کا بیان ہے۔ جن میں پہلا وصف مرتبۂ رکوع ہے، دوسرا سجود۔

مقصود دونوں سے وہ مقام ہے، جب کہ انسان اپنی روح و دل اور اپنی تمام قوتوں اور اپنے تمام جذبات اور تمام خواہشوں کے ساتھ اللہ تعالٰی کے آگے جھک جاتا ہے، اور وہ سر جو اس نے بلند کیا ہے، اس کی ہر مخلوق کے آگے بلند ہو کر بالآخر اس کے آگے گرا دیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت لفظ "اسلام" کی حقیقت اور مقام "تسلیم" کا مقصودِ اصلی بھی یہی مقام ہے۔ وقال فی ھٰذا المقام :-

این جملہ کتابہا کہ در بر داری
سودے نکند چو نفس کافر داری
سر را بہ زمیں بنہ کو در وقت نماز
آں را بہ زمیں بنہ کہ در سر داری

لیکن اس حالت کے دو درجے ہیں۔ ایک مرتبہ رکوع ہے، اور ایک مرتبہ سجود۔ نماز میں مصلّی پہلے رکوع میں جاتا ہے، اس کے بعد سجدے میں گرتا ہے۔ پس "الراکعون" سے مقصود وہ لوگ ہیں جو اس حالت کے پہلے درجے تک پہنچ گئے ہیں۔ اور اس بے نیاز و کبریا، کے سامنے انہوں نے اپنی روح و دل کو یکسر جھکا دیا ہے۔

۶۔ "الساجدون"۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے، رکوع صرف جھکنا تھا مگر سجود جھکتے جھکتے اس قدر جھک جانا کہ بے اختیار و مضطر ہو کر زمین پر گر پڑنا اور پیشانی کو گرد و خاک مذلت سے آلودہ کر دینا۔ یہ انکسار عبودیت کا انتہائی مرتبہ ہے۔ اور اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ اپنے سر کو نہ صرف اللہ کے آگے جھکا ہی دے، بلکہ دائمی طور پر اس کے سامنے زمین پر رکھ دے اور اسے سپرد کر دے۔ سیّد الطائفہ بغدادی سے کسی نے پوچھا تھا۔ "نماز میں سجدے کے شرائط کیا کیا ہیں"؟ فرمایا کہ "تمہارے لیے تو یہ کہ پیشانی اور ناک زمین سے مس ہو، اور ہمارے

یسے یہ کہ جب ایک بار سر سجدے میں گر جائے تو پھر دوبارہ زمین سے نہ اُٹھے! وللہ درما قال:-

در سجدۂ کہ تن نہ ز سر مے شود جدا
در کشور وفا گنہش نام کردہ اند!

یارب ز سیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بُت خانۂ کہ خانقہش نام کردہ اند

پھر نظر حقیقت شناس کو بلند تر کیجیے، تو اسی مقام سے وہ مرتبۂ فنائے نفس انسانی مراد ہے، جس کو صوفیائے کرام اپنی اصطلاح میں مقام "استہلاک کلی" اور جمع الجمع سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر زبان اہل محبت میں کہیے تو وجود انسانی کا یہی سجدہ ہے، جس کی پیشانی زمین پر گرنے سے پہلے تو طلب عشق ہوتی ہے، پر جب اُٹھتی ہے تو عشق کی جگہ خود حسن کی جلوہ گاہ بن جاتی ہے۔

بیرون عشق و عاشق و معشوق ہیچ نیست
ویں ہر دو اسم مشتق ازاں مصدر آمدہ

۷۔ "الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر" اللہ اکبر! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درجۂ عالیہ کہ ان تمام اوصاف عظیمہ کے بعد اس کا ذکر کیا گیا، اور فرمایا کہ وہ راست بازی و عدالت کی طرف بلاتے

ہیں ۔ اور چونکہ نیکی کی دعوت بدی کی ممانعت کے بغیر ممکن نہیں اس لیے ساتھ ہی اُس کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ نیز وہ فرزندان حق جو بُرائیوں سے روکتے اور خدا کی زمین کو نفس و شیطان کی پھیلائی ہوئی ضلالت سے بچاتے ہیں۔

فی الحقیقت یہ مرتبہ اسلام وایمان کا اعلےٰ ترین درجۂ اختصاص اور مخصوص ترین اعمال نبوت و صدیقیت میں سے ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی وصف نہیں جو اسلام کی پوری حقیقت اپنے اندر رکھتا ہو۔ یہی وہ عمل الٰہی ہے جس کا انجام دینے والا زمینوں اور آسمانوں میں خدا کا دوست پکارا جاتا ہے۔ اور اس کے اعمال کے اندر نبیوں اور رسولوں کی نسبت متحقق ہو جاتی ہے۔ جو گروہ یا جو فرد آمر بالمعروف وناہی عن المنکر ہوگا، وہ گویا آدم و نوح اور ابراہیم و موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا دنیا میں جانشین ہوگا۔

الحمدللہ کہ اس مقام کی تشریح و تفصیل اور اعلان و دعوت کی توفیق مقدس اس فقیر کو خصوصیت کے ساتھ بکرات و مرات مرحمت ہوئی اور اس کے فضل ذرہ نواز سے امید ہے کہ باب توفیق ہمیشہ باز و مفتوح رہے گا۔

۸ ۔ "والحافظون لحدود اللہ"۔ یہ ان اوصاف الٰہیہ کا آخری

مرتبہ اور اس زنجیر صفات ایمانیہ کی آخری کڑی ہے۔ یہ انتہائی وصف ہے جو ان صفات سبعیۂ ربانیہ کے بعد مومنوں کو حاصل ہوتا ہے یا مومنین مخلصین کی وہ منتہا درجہ رفیع وجلیل جماعت ہے جو ارتقار ایمانی کی آخری منزل تک پہنچ جاتی ہے، اور پھر خدا تعالےٰ سچ مچ اس دنیا میں اپنا قائم مقام اور خلیفہ بنا دیتا ہے۔ فھو لا یسمع الا بسمعہ و لا ینظر الا بنورہ و لا یتکلم الا بلسانہ :-

چشم و گوش و دست و پائم او گرفت

من بدر افتم سرائم او گرفت

"حافظین لحدود اللہ" سے مقصود وہ جماعت ہے جو دنیا میں شریعت حقۂ الٰہیہ کے قیام اور عدل و امنیت کے نظام کی ذمہ دار ہوتی ہے، اور جو حدود و قوانین خدا تعالےٰ نے قوام عالم، و امن انسانیت، و نظام مدنیتہ صالحہ، با اختیار سلطان اور ایک مسئول والی ملک کی طرح ان کی محافظت کرتی ہے۔ یہی حدود اللہ فی الحقیقت تمام شرائع الٰہیہ کا مقصود حقیقی اور تمام مامورین و مرسلین اور مصلحین متبعین کی دعوت کا ماحصل ہیں، اور یہی حدود ہیں جن کو لسان اللہ نے کہیں دین قیم کہیں دین حنیف کہیں صراط مستقیم، کہیں فطرۃ اللہ، کہیں سنتہ اللہ، اور پھر کہیں "اسلام" کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ اس خدمت کے لیے اپنی جماعتوں

کو چنتا اور انہیں اپنا خلیفہ بناتا ہے، بس وہ دنیا کو صفات الٰہیہ کا تجلی
گاہ بنانا چاہتے ہیں نہ کہ تخت ابلیس کے احکام خبیثہ کا جہنم کدہ۔ وہ
ہر اس چیز سے خوش ہوتے ہیں جن سے رب العالمین خوش ہے۔
اور ہر اس درخت کی جڑ کاٹنا چاہتے ہیں جو صفات شیطانیہ کے بیج
کا پھل ہے۔ پھر وہ اپنی تمام قوتوں کو "حدود اللہ" کی حفاظت کی راہ
میں وقف کر دیتے ہیں۔ اور دنیا کی جو جو قوتیں ان حدود کو توڑنے
والی اور انسانیۃ کو اس کے فطری حقوق سے محروم کرنے والی ہیں، اُن
سب کے تسلّط سے عالم کو نجات دلاتے ہیں۔ یہ گویا قوت الٰہیہ اور
قوائے شیطانیہ کی ایک جنگ ہوتی ہے، پر جیسا کہ اُس نے ہمیشہ کیا
ہے، وہ اپنی جنود قاہرہ کو فتح دلاتا اور ابلیس کے لشکر کو نامراد و خاسر کرتا ہے

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، انہم
لھم المنصورون، وان جندنا لہم الغلبون (۳۸ : ۱۷۱)

یہ درجہ آخری درجہ ہے، اور اس لیے "حزب اللہ" کا مقصد حقیقی ہے،
کیونکہ خدا تعالےٰ نے حزب اللہ یعنی اپنی جماعت کو جا بجا "حزب الشیاطین"
یعنی شیطان کی جماعتوں کے مقابلے میں فرمایا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں
جہاں منافقین و کفر پرست لوگوں کا تذکرہ کیا وہاں پہلے "حزب الشیطان"
کی طرف اشارہ کیا :-

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ — شیطان (اور اس کی قوتیں) ان پر
الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ — مسلط ہو گئی ہیں، پس انہوں نے خدا کے ذکر
ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ — اور اس کے رشتے کو فراموش کر دیا ہے۔
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ — یہ "حزب الشیطان" یعنی شیطان کی جماعت
اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ — ہے اور یقین کرو کہ آخر کار حزب الشیطان
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۱۹:۵۸) — برباد و تباہ ہی ہو گا۔

پھر اس سورۃ میں اس آیۂ کریمہ کے بعد سچے اور راستباز مومنوں کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ ان کی علامت یہ ہونی چاہیے کہ اللہ اور اس کی صداقت و عدالت کے آگے دنیا کی تمام قوتوں اور بندشوں کو ہیچ سمجھیں، ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔ اگرچہ ان کے ماں باپ، اہل و عیال، برادر و قریب، اور خاندان اور کنبے ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں، لیکن خدا کی راہ میں وہ کسی کی پرواہ نہ کریں۔

پھر ان کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے کہ:-

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ — یہی وہ سچے مومن ہیں جن کے دلوں
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ — کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور
اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ — اپنی روح سے ان کی نصرت فرمائی ہے

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ	نیز وہ انہیں کامیابی و فتح مندی کے ایسے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ	بہہ رہی ہوں گی اور وہ ہمیشہ اس کا عیش ابدی
اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا	حاصل کرینگے۔ یہی وہ خدا کے خاص بندے ہیں
عَنْهُ ؕ (۵۸ : ۲۲)	جن سے وہ راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں"

ان اوصاف و خصائص کے بیان کرنے کے بعد، پھر اس جماعت کا نام بتلایا کہ :-

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ	یہی "حزب اللہ" یعنے خاص اللہ کی جماعت
اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ	ہے اور یقین کرو کہ خواہ حزب الشیطن کی
اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	شان و شوکت کیسی ہی دلفریب ہو مگر آخر
(۵۸ : ۲۲)	کار یہی لوگ فلاح پائیں گے ۔

ان آیات سے عجیب و غریب نکات و معارف سامنے آتے ہیں۔ گو وقت تشریح نہیں و محول بہ وقت توضیح مقاصد حزب اللہ، تاہم مختصراً اتنا اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ ان آیات نے بعض مخصوص علامتوں اور نتائج کو سامنے کر دیا ہے ۔ مثلاً ان سے واضح ہو گیا :-

(۱) خدا نے دنیا میں دو جماعتوں کا ذکر کیا ۔ حزب الشیطان، اور حزب اللہ ۔

(۲) حزب الشیطان کا کام یہ ہے کہ وہ چوں کہ اپنے تئیں قوا شیطانیہ کا مرکب بنا دیتا ہے۔ اس لیے شیطان ذکرِ الٰہی سے اُسے محروم کر دیتا ہے۔ اور خدا کی صداقت و حقانیت بالکل فراموش ہو جاتی ہے۔ لیکن "حزب اللہ" ذکرِ الٰہی کو زندہ کرنے والا اور اس کے غلغلے سے تمام عالم کو معمور بنا دینے والا ہے۔

(۳) حزب اللہ کی اصلی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کی وفاداری میں اور تمام شیطانی قوتوں سے بکلی باغی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی راہ میں کسی دنیوی اثر و قوت سے متاثر نہیں ہوتا۔

(۴) "حزب الشیطان" کا نتیجہ نامرادی و خسران ہے، اور "حزب اللہ" آخر کار فلاح و نصرت پانے والا ہے۔

(۵) کیوں کہ خدا ان کے لوحِ دل پر نقشِ ایمان کندہ کر دیتا اور اپنی "روح" سے ان کی مدد کرتا ہے۔

(۶) دائمی نشاط کار و سرور فتح مندی ان کا صلہ ہے۔

(۷) بارگاہِ الٰہی میں ان کا درجہ یہ ہے کہ "وہ خدا سے خوش و راضی ہیں، اور خدا ان سے راضی و خوش ہے"۔ اور یہ انتہاءِ مراتب عباد اللہ ہے۔ کیوں کہ ان کی رضا اور اپنی رضا، دونوں کا خدا نے ایک ساتھ ذکر کیا۔

حاصل سخن یہ کہ "حافظین لحدود اللہ" کا مقام جماعت "حزب اللہ" کا مرتبہ آخری ہے۔ اور ان مراتب ثمانیہ کے طے کرنے کے بعد اس جماعت کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔

پس یہی ہیں کہ فرمایا "وبشر المؤمنین" کہ ان کو فلاح دارین کی بشارت پہنچا دی جائے۔ اور یہی قرآن حکیم کے مقرر کردہ مراتب عمل ہیں، جن کو حلقہ حزب اللہ اختیار کرے گا۔

جماعۃ ثلاثہ :-

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ؕ (۳۵ : ۳۲)

ترجمہ پھر پچھلی قوموں کے بعد ہم نے اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھیرایا، جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لیے اختیار کر لیا (یعنی مسلمانوں کو) پس ان میں سے ایک گروہ تو ان کا ہے جو اپنے نفوس پر (ترک اعمال اور ارتکاب معاصی سے) ظلم کر رہے ہیں۔ دوسرا ان کا جنہوں نے معاصی کو ترک اور اعمال کو اختیار کیا ہے پر خدا پرستی اور ترک نفسانیت ان کا درجہ درمیانہ اور متوسطین کا ہے، تیسرے وہ جو اذن الٰہی سے تمام

اعمالِ حسنہ و صالحہ میں اوروں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں، اور یہ خدا کا بہت ہی بڑا فضل ہے!"

اس آیت کریمہ میں خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو تین طبقوں میں منقسم کر دیا ہے:-

(۱) وہ جو اپنے نفوسؔ پر ظلم کر رہے ہیں۔ کیوں کہ خدا سے غافل اور اس کے رشتے کی عزت کو بھولے ہوئے ہیں اعتقاد اور حس ایمانی تو ضرور رکھتے ہیں۔ پر ایمانی قوت میں ضعف بھی بدرجۂ کمال ہے اور عمل مفقود۔

(۲) درمیانی طبقہ جو غفلت سے متنبہ ہوا، اعمالِ حسنہ اختیار کیے، اوامرِ الٰہیہ کے آگے سرِ اطاعت خم کیا۔

(۳) اعلےٰ ترین طبقہ جو نہ صرف خیرات و محاسن کا انجام دینے والا بلکہ ان میں اوروں سے پیش روی بھی ہے، اور نیکی کی صفوں میں سب سے آگے بڑھ جانے والا ہے۔

قوم کے مختلف طبقات و مدارج کی یہ ایک قدرتی تقسیم ہے اور ہر قوم میں یہی تین جماعتیں ہوتی ہیں۔ پھر جن میں پہلی کم، دوسری کثرت اور تیسری کافی ہوتی ہے، وہ تمام قوموں میں سرفراز اور ممتاز ہو جاتی ہے۔ اور جس میں صرف پہلی کی کثرت، دوسرے بہت کم، اور تیسرا گروہ

کالعدم ہوتا ہے، وہ دنیا میں اپنے زندہ رہنے کا حق کھو دیتی ہے۔

"حزب اللہ" کے تین درجے :-

پس اس تقسیم قرآنی کی بنا پر اس جماعت کے بھی تین درجے قرار پاتے ہیں :-

(۱)

ہر مسلمان جو راستبازی کا متلاشی، اصلاح حال کا متمنی، اور اسلام کے اس دورِ غربت میں خدمت و جہاد فی سبیل اللہ کی اپنے دل میں سوزش و تپش رکھتا ہے، نیت صالحہ، ارادۂ محکم، اور اقرار واثق کے ساتھ دین الٰہی کے اس میثاق مقدس کو دُہرائے :-

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ	میری عبادت، میری قربانی،
نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ	میرا جینا، میرا مرنا، غرض کہ میری ہر چیز
مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ	صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔
الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَاشَرِیْکَ	اس قربانی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور
لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ	میں مسلمانوں میں پہلا مسلم ہوں۔
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ	

اور اپنی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ خدا کی قربانی کے لیے طیار ہو کر اقرار کرے کہ وہ اللہ کے رشتے میں منسلک ہونا، اور اس کی

جماعت کے فرائض ادا کرنا چاہتا ہے۔

پس وہ طبقۂ "ظالم لنفسہ" میں سے طبقۂ "مقتصد" کے لیے منتخب ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد اس کی آزمائش شروع ہو جائیگی۔ یہ آزمائش اس وقت تک جاری رہے گی جس وقت تک کہ وہ دوسرے درجے میں شامل ہونے کا اہل ثابت نہ ہو۔

(۲)

ان لوگوں میں سے جو پہلی جماعت میں منتخب ہوئے ہیں، جو لوگ اپنے اعمال و افعال سے عہد الٰہی کے ایفا اور دین حنیفی کے میثاق کی تعظیم کا ثبوت دیں گے، ایک دوسری جماعت چھانٹی جائے گی اور اس میں شامل ہونا گویا ارباب اقتصاد کے طبقہ میں شامل ہونا ہوگا۔

لیکن اس کے لیے اوّلین شرط یہ ہوگی کہ داخل ہونے والا امور ذیل کی پابندی کا مومنانہ و مخلصانہ عہد کرے، نیز جس قدر زمانہ پہلی جماعت میں بسر کر چکا ہے، اس کے عہد کی صداقت کا یقین دلائیں:۔

(۱) تمام احکام شریعت کی، ان کی تمام شرائط و ارکان کے ساتھ سچی پابندی کرنا، اور از سرتا پا اپنے تمام اعمال و افعال حیات، اور تعلیمات اور تعلقات و لوازم زندگی میں یکسر پیکر شریعت اور مجسمہ اسلامیت ہونا۔

(۲) صداقت الٰہی کی راہ میں سیاحت و سفر اور سیر فی الارض۔

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کسی حال میں غافل نہ ہونا' الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کو اپنے تمام اعمال کا دستور العمل قرار دینا' ان تمام رشتوں کے توڑنے میں جلدی کرنا جو خدا کی رضا سے خالی ہوں۔ اور پھر اس رشتے کو ماں باپ اور زن و فرزند کے رشتے سے بھی زیادہ قوی سمجھنا جو اللہ کی راہ میں باندھا جائے۔ خواہ کسی قسم کی مشغولیت اور کیسے ہی کاموں کا انہماک ہو، مگر ہمہ وقت اسی دھن میں لگے رہنا کہ بندگان الٰہی کو معروف و حق کی دعوت دی جائے، منکرات و منہیات سے روکا جائے، اور دین الٰہی کی ایک بھی فوت شدہ سنت ہمارے ہاتھوں زندہ ہو جائے۔ اور پھر اپنے دل کے اندر کچھ اس طرح اس کی چبھن اور ٹیس پیدا کر لینا کہ جس طرح سانپ کا کاٹا یا بچھو کا ڈسا ہوا مریض درد اور تڑپ سے لوٹتا اور کراہتا ہے، ٹھیک اسی طرح حق و عدل کی مظلومیت اور دین الٰہی کی بے کسی و غربت پر از سر تا پا پیکر اضطراب اور تصویر التہاب ہو جائے!!

(۴) حکم اسلام اور شریعت اسلامیہ کی اطاعت کا بتدریج وہ مرتبہ حاصل کرنا اور اس طرح اس کے احکام کی عظمت و سطوت اپنے اوپر

طاری کرلینا کہ اس کا ہر حکم فرمان قضا، اور اس کا ہر اشارہ فیصلہ کن جسم و جان ہو۔ اور قلب ہر حال میں اس کے احکام کا منتظر اور اس کے اوامر کے لیے بھوکا پیاسا رہے۔

(۳)

اس دوسری جماعت میں سے جو فرزندان حق اپنے اعمال و افعال سے درجۂ مسابقت و مرتبۂ علو و رفعت حاصل کریں گے، ان ہی سے یہ آخری جماعت منتخب ہوگی، اور یہی جماعت "حزب اللہ" کا خلاصۂ مساعی و جہاد، اور اس کی اصلی حکمران جماعت ہوگی۔ یہ لوگ "سابق بالخیرات" اور "حافظین لحدود اللہ" ہوں گے۔ خدا تعالیٰ جو کام ان سے لینا چاہے گا، خود لے لے گا۔ اور جس مقصد کی طرف انہیں کھینچے گا، وہ اس طرف کھنچ جائیں گے۔ ان کے مقصد آخری کو نہ اس وقت بتلایا جاسکتا ہے، اور نہ متعین کیا جاسکتا ہے۔ جو سالک کہ ابتدائی دو جماعتوں سے ترقی کرکے اس درجے تک پہنچے گا، وہ خود وہاں کے اسرار و رموز سے آشنا ہو جائے گا۔ اس سے پہلے وہاں کے حالات کسی پر منکشف نہ ہوسکیں گے۔ کسی عضو جماعت کے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان کے انکشاف کے درپے ہو، اور وقت سے پہلے انہیں معلوم کرنا چاہے۔"

"حزب اللہ" کا مقصد وحید اور آغاز عمل

۱۳ ھ ۳۱

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ؕ[1]

انما ولیکم اللہ	اے مسلمانو! تمہارا دوست اللہ ہے اس کا
ورسولہ والذین	رسول اور وہ لوگ جو اللہ اور رسول پر ایمان لا چکے
اٰمنوا الذین	ہیں جو صلوٰۃ الٰہی کو دنیا میں قائم کرتے اس کی
یقیمون الصلوٰۃ و	راہ میں اپنے مال کو صرف کرتے اور سب سے زیادہ
یؤتون الزکوٰۃ وھم	یہ کہ ہر وقت اللہ اور اس کے حکموں کے آگے
راکعون ○ ومن یتول	جھکتے رہتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ، اللہ کے
اللہ ورسولہ و	رسول اور صاحبان ایمان کا ساتھی ہو کر رہے گا
الذین اٰمنوا فان	تو یقین کرو کہ وہ "حزب اللہ" میں سے ہے۔
حزب اللہ ھم	اور "حزب الشیاطین" کے مقابلہ میں حزب اللہ
الغلبون	ہی کا بول بالا ہونے والا ہے۔

---

[1] یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس آیہ کریمہ کی بنا پر اس جماعت کا نام "حزب اللہ" رکھا گیا ہے اس آیہ کریمہ کے عدد بہ قاعدہ جمل ۱۳۳۱ ہیں۔ اور یہی ہجری سنہ اس جماعت کی تاسیس کا ہے۔

زشرحِ قصۂ مارفت خواب از چشمِ خاصاں را
شب آخر گشت و افسانہ از افسانہ مے خیزد

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ قسم ہے اس عصر انقلاب اور دَور تغیرات کی جو پچھلے دَور کو ختم کرتا اور نئے دَور کی بنیاد رکھتا ہے کہ نوعِ انسانی کے لیے دنیا میں نقصان وہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ مگر ہاں! وہ نفوسِ قدسیہ جو قوانینِ الٰہیہ پر ایمان لائے، اعمالِ صالحہ اختیار کیے، ایک دوسرے کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ دینِ حق کی وصیت کرتے رہے، اور نیز صبر و استقامت کی بھی اُنہوں نے تعلیم دی (۱۰۳ : ۴) اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون (۲ : ۴)

یہ ہے جماعت "حزب اللہ" کا "مقصد وحید" جسے غالباً ہر شخص دن میں ایک دو مرتبہ نماز کے اندر ضرور پڑھتا ہے، اور یہ ہے خلاصہ اس کے پیش نظر اغراض کا جو سورۂ "والعصر" کی صورت میں ہر مسلمان کے آگے موجود ہے۔ فمن شاء اتخذ الٰی ربہ سبیلا۔

گذشتہ تمہید کی چار صحبتوں میں جو کچھ عرض کر چکا ہوں اُس سے

بہت زیادہ عرض کرنا تھا، مگر مناسب یہ نظر آیا کہ پہلے مختصراً اصل اغراض ومقاصد بیان کر دیے جائیں۔ اور اس کے بعد ان کی ہر دفعہ پر ایک مستقل مضمون شائع کیا جائے:۔

مخاطب اندکے نازک مزاج است
سخن کم گو کہ کم گفتن رواج است

تلاشِ مقصود:۔

لیکن کم از کم آج پہلے مقصد کے متعلق تو چند کلمات ضرور عرض کروں گا، اور معافی خواہ ہوں اگر اُن احباب کرام کو شاق گذرے، جواب صرف اصل دفعات طریق عمل ہی کے مشتاق ہیں۔

گذشتہ مطالب وبیانات سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا۔ کہ اس عاجز کا مقصد کیا ہے؟ آخری نمبر کے خاتمے کی سطور میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم کو آج سب سے پہلے کس چیز کا متلاشی ہونا چاہیے؟

دنیا کی بیماریاں ہمیشہ یکساں رہی ہیں۔ اس لیے ان کا علاج بھی اصولاً ایک ہی ہونا چاہیے۔ وہ جب کبھی متلاشی ہوئی ہے، تو اس کی تلاش اس جستجو سے کبھی بھی مختلف نہ تھی، جو جستجو کہ آج ہمیں درپیش ہے۔

ایک ہی چیز تھی جس کی ہمیشہ تلاش رہی، ہم بھی آج اسی کو ڈھونڈھیں گے

جب کہ اس زمین پر ایسے ہزاروں برس پہلے خدا کے ایک مخلص بندے نے اس کو درد اور تڑپ کی آواز میں پکارا تھا اور کہا تھا کہ:-

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ	خدایا! میں نے اپنی قوم کو رات دن
قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًاۙ	حق و ہدایت کی دعوت دی، لیکن افسوس
فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ	کہ میری دعوت کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہ
اِلَّا فِرَارًا وَ اِنِّیْ كُلَّمَا	نکلا کہ وہ اور مجھ سے بھاگنے لگی، میں نے جب
دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ	کبھی ان کو پکارا تاکہ وہ تیری طرف رجوع ہوں،
جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ	تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس
فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا	لیں کہ کہیں میری آواز نہ سن لیں، کہ اور اپنے
ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ	اوپر سے کپڑے اوڑھ لیے کہ کہیں میرے چہرے
اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا	پر نظر نہ پڑ جائے اور ضد اور شیخی میں آ کر اکڑ بیٹھے
ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا	اس پر بھی باز نہ آیا پھر انہیں پکار پکار کر تیرا پیغام
ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ	پہنچایا، اور اس کے بعد بھی ظاہر و پوشیدہ
وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ	ہر طرح سمجھایا لیکن اے خدایا! با ایں ہمہ
اِسْرَارًا (۷۱ : ۹)	سعی و دعوت اصلاح، ان سرکشوں نے
قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ	میرا کہا نہ مانا اور انہی معبودان باطل کی
اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا	غلامی کرتے رہے جنہوں نے ان کے مال

مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ	اوران کی اولاد کو فائدہ کی جگہ اُلٹا
وَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝ (۲۱:۷۱)	نقصان ہی پہنچایا۔

تو وہ بھی اپنی قوم کو اس کی تلاش کا پتہ دے رہا تھا۔

(۲)

جب کہ کالڈیا کے بُت خانے میں ایک برگزیدہ نوجوان نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض ادا کیا۔ جب کہ اس نے اپنے ہاتھ میں چھُری لی، اور اپنے فرزند عزیز کو محبت الٰہی کی بے خودی میں دشمنوں کی طرح زمین پر دے پٹکا، جب کہ اس نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے خاندان کو دین الٰہی کی پیروی کی وصیت کی۔ اور کہا:۔

یٰبنی ان اللہ	دیکھو! اللہ نے تمہارے اس دین
اصطفٰی لکم الدین	اسلام کو تمہارے لیے پسند فرمایا ہے، پس ہمیشہ
فلا تموتن الا وانتم	اسی پر قائم رہنا، اور دنیا سے نہ جانا مگر اس
مسلمون (۲:)	حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔

تو اس نے بھی اس کو ڈھونڈا اور پا یا تھا۔

(۳)

جب کہ تخت گاہِ فراعنہ کے ایک قید خانہ میں کنعان کے قیدی نے دین الٰہی کا وعظ کہا، اور جب کہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے

پوچھا کہ :-

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۲ : ۴۰)

اے یاران مجلس! بہت سے مالک اور آقا بنا لینا اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کے آگے جھکنا؟ تم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کر رہے ہو تو یہ اس کے سوا کیا ہے کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے پیش رووں نے گھڑ لیے ہیں۔ حالانکہ خدا نے تو اس کے لیے کوئی سند بھیجی نہیں۔ اے گمراہو! یقین کرو کہ تمام جہان میں حکومت صرف اسی خدا کے لیے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کے آگے جھکو! یہی اسلام کا سیدھا راستہ ہے لیکن افسوس! کہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

تو اس کی نظر بھی اسی کے طرف تھی، اور اسی کی تلاش تھی، جس کا وہ سراغ دے رہا تھا۔

---

(۴)

وہ "شاطیٔ وادی ایمن" اور "بقعۂ مبارکہ" کا مقدس چرواہا، جب کہ کوہِ سینا کے کنارے "انی انا رب العلمین" کی ندائے محبت سے مخاطب ہوا تھا، اور جب کہ ایک ظالم و جابر حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے اُس نے یکہ و تنہا، فرماں روائے عہد کے سامنے حریفانہ کھڑے ہو کر پیشین گوئی کی تھی کہ :-

رَبِّیٓ اَعْلَمُ	یعنی اے لوگو! مجھ کو جھٹلانے میں
بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی	جلدی نہ کرو۔ خدا خوب جانتا ہے کہ کون شخص
مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ	اس کی طرف سے سچائی لے کر آیا ہے، اور
تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ	آخر کار کس کے ہاتھ کے نتیجہ کی کامیابی
الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ	آنے والی ہے؛ یقین کرو کہ خدا کبھی اُن
الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲۸ : ۳۵)	لوگوں کو فلاح نہیں دیتا جو برسرِ ناحق ہیں۔

تو وہ بھی اسی تلاش کا اعلان کر رہا تھا، اور یہی تلاش تھی جس نے اُسے منزلِ مقصود تک پہنچایا تھا۔

(۵)

وہ "ناصرہ" کا نوجوان اسرائیلی جو پچھلی کتابوں کی پیشین گوئی کے مطابق آیا تھا، تاکہ عہدِ اسرائیلی کے خاتمے اور دورِ اسماعیلی کے آغاز

کا اعلان کرے، اور جب کہ اس نے چلنے سے پیشتر ایک باغ کے گوشے میں اپنے نادان اور ناسمجھ ساتھیوں سے کہا تھا کہ :-

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ	میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا
اِلَیْکُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا	ہوا آیا ہوں میں کوئی نئی شریعت نہیں لایا بلکہ
بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ	میرا کام صرف یہ ہے کہ کتاب تورات کی، جو
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ	مجھ سے پہلے آچکی ہے، تصدیق کرتا ہوں،
یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی	اور ایک آنے والے رسول کی خوش خبری دیتا
اسْمُہٗ اَحْمَدُ (۶۱ : ۶)	ہوں جو میرے بعد آئیگا اور جس کا نام احمد ہوگا

تو وہ بھی اسی وادی جستجو کا ایک کامیاب قدم شوق تھا، اور یہی گوہر مقصود تھا جس کے لیے اُس نے اپنے بے عقل ساتھیوں کے جیب و دامن کو بے قرار دیکھنا چاہا تھا۔

(۶)

اور پھر وہ ظہور انسانیۂ کبریٰ، وہ مجسمۂ نعمت الٰہیہ عظمیٰ، وہ معلم کتاب و حکمت، وہ مزکی نفوس و انسانیت، وہ ھادی الیٰ صراط مستقیم، وہ مخاطب انک لعلیٰ خلق عظیم، وہ تاجدار کشورستان یزداں پرستی، وہ فتح باب اقلیم قلوب انسانی، وہ علم آموز درس گاہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی، وہ خلوت نشین شبستان ابیت

عندا ربی ھو یطعمنی ویسقینی' یعنی وہ وجود اعظم واقدس جس کے لیے دشت حجاز میں ابراہیم خلیلؑ نے اپنے خدا کو پکارا:-

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتك
ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم۔ (۲ : ۱۲۹)

جس کے نور مبین کی تجلی فاران کی چوٹیوں پر موسیٰؑ نے دیکھی، جس کے عشق میں داؤدؑ نے نغمہ سرائی کی، جس کے جمال الٰہی کی تقدیس میں سلیمانؑ اپنے تخت جلال پر جھک گیا، جس کی طرف یوحناؑ سے پوچھنے والوں نے بے قرارانہ اشارہ کیا، اور جس کے لیے ناصرہ کے اسرائیلی نبی نے اپنا جانا ہی بہتر سمجھا، وتاہ اپنے باپ سے جو آسمان پر ہے سفارش کرے، اور اس کو "جو آنے والا ہے جلد بھیج دے"!
(یوحنا۔ ۱۶ : ۸)۔

غرض کہ جب "وہ آنے والا" آیا، اور خدا کی زمین آخری مرتبہ سنواری گئی، تا اس کی ابدی حکومت وجلال کا تخت بچھے۔ اور پھر اس کے فرمان آخری کا اعلان ہوا

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ	اب سے جو انسان احکام اسلامی
الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ	کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کریگا۔
يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي	تو یقین کرو کہ اس کی تلاش کبھی مقبول

الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ نہ ہوگی۔ اور اس کے تمام کاموں کا آخری
(۳ : ۸۵) نتیجہ نامرادی ہی ہوگا۔

تو وہ اسی کی جستجو میں نکلا تھا جس کی جستجو میں سب نکلے، اور قبل اس کے کہ وہ اس کے لیے بے قرار ہو، خود اس نے بے قرار ہوکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا:

ووجدک ضآلًّا فھدٰی (۹۳ : ۷) اور اے پیغمبرؐ! ہم نے تم کو دیکھا کہ ہماری تلاش میں سرگرداں ہو، پس ہم نے (خود ہی) تم کو اپنی راہ دکھلا دی۔

(۷)

دنیا کی خوشی مرجھا گئی تھی، اس کا جمال صداقت پژمردہ، اور اس کا چہرۂ ہدایت زخمی ہوگیا تھا۔ وہ پیمان و مواثیق جو اولادِ آدمؑ نے مقدس رسولوں کے سامنے ان کے پاک پیغاموں کو سنکر خدا سے باندھے تھے، ایک ایک کرکے عصیان و تمرد سے توڑ دیے گئے تھے، اور خدا کی رحمت و رافت زمین کے بسنے والوں سے رُوٹھ گئی تھی، اس کا وہ جمال ازلی و ابدی جس سے پردے اُٹھا دیے گئے تھے تا اس کے ڈھونڈنے والوں کو محرومی نہ ہو، اب پھر مستور و محجوب ہوگیا تھا اور اس میں اور اس کے بندوں میں کوئی رشتہ باقی نہ تھا۔ ہاں کوئی

نہ تھا، جو اس کو ڈھونڈے۔ کوئی قدم نہ تھا، جو اس کی طرف دوڑے کوئی آنکھ نہ تھی جو اس کے لیے اشکبار ہو۔ کوئی دل نہ تھا جو اس کی یاد میں مضطرب ہو۔ کوئی روح نہ تھی جو اُسے پیار کرے۔ اس کی دنیا اس سے بے خبر تھی، اس کے بندے اس سے غافل تھے۔ انسان کا ضمیر مر چکا تھا۔ فطرۃ کا حسن حقیقی عصیان عالم کی تاریکی میں چھپ گیا تھا، طغیان و سرکشی کے سیلاب تھے، جو خشکی و تری دونوں میں اُمنڈ آئے تھے۔ اور جن کے اندر خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں:۔

ظهر الفساد فی	خشکی اور تری دونوں میں
البر والبحر بما کسبت	انسان کے عصیان و سرکشی سے
ایدی الناس (۳۰ : ۴۰)	فتنہ و فساد پھیل گیا۔

جب کہ یہ حالت تھی تو دنیا بگڑ کر پھر سنوری، انسانیۃ مر کر پھر زندہ ہوئی، اور خدا نے اپنے چہرے کو پھر بے نقاب کر دیا۔ وہ جو شام کے مرغزاروں اور یروشلم کے ہیکل کے ستونوں سے روٹھ گیا تھا، اب پھر آ گیا، تاکہ دشت حجاز کے ریگستانوں کو پیار کرے اور اپنے راز و نیاز محبت کے لیے ایک نئی قوم کو چن لے۔ دنیا جو صدیوں سے اس کو بھلا چکی تھی، پھر اس کی تلاش میں نکلی، اور انسان نے اپنے

مقصود و مطلوب کو کھو کر پھر دوبارہ پا لیا۔

قد جاءکم من اللہ	بےشک تمہارے پاس اللہ کی طرف
نور و کتٰب مبین ۰ یھدی	سے ایک نور ہدایت اور ایک کتاب مبین
بہ اللہ من اتبع رضوانہ	آئی۔ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے
سبل السلام و یخرجھم	راستوں پر ہدایت کرتا ہے اس کی، جو
من الظلمت الی النور	اس کی رضا چاہتا ہے اور اس کو ہر طرح
و یھدیھم الی صراط	کی گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت
مستقیم ؀	کی روشنی میں لاتا اور صراط مستقیم پر چلاتا ہے

(۸)

غرض کہ دنیا کی حیات، ہدایت و سعادت کی تاریخ یکسر تلاش و جستجو ہے۔ اس نے اپنے ہر دور میں کھویا، اور پھر ہر دور میں اس کی تلاش کے لیے نکلی۔ وہ جب کبھی گری، تو اس کو کھو کر گری، اور جب کبھی اُٹھی تو اسی کی تلاش کا ولولہ لے کر اٹھی۔ اس کے ہادیوں نے جب کبھی اس کو جگایا تو اسی کے لیے جگایا۔ اور جب کبھی اس کا ہاتھ پکڑا تو اسی جستجو میں نکلنے کے لیے پکڑا۔ اس کی یہ تلاش ہمیشہ کامیاب ہوئی۔ اور اس نے جب کبھی پکارا، اُسے جواب ملا۔ پانی کے ملنے میں کبھی بھی دیر نہ ہوئی، البتہ تشنگی کا ثبوت ہمیشہ مانگا گیا۔

جمال حال شود ترجمان استحقاق
دلیل آب جگر تفتگی و تشنہ لبی ست

جماعۃ :-

لیکن یہ انقلاب عظیم جو ہیئۃ انسانیہ میں ہوا جس نے دنیا کو یکسر بدل دیا، اور جس عزیز گم گشتہ کو وہ بھول بیٹھی تھی، اس کی تلاش د جستجو میں گم ہو کر پھر نمودار ہوئی، کس چیز کا نتیجہ تھا؟

یقیناً وہ ایک صدائے الٰہی تھی۔ لیکن کن کے اندر سے اُٹھی؟ کچھ شک نہیں کہ وہ جمال ربانی کی ایک بے نقاب بخشش نظارہ تھی، لیکن اس جلوہ ریزی کا آفتاب کن کے سیمار وجوہ پر چمکا؟

آیئے! جن کی نسبت کہا گیا کہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ اصل یہ ہے کہ وہ ایک جماعت تھی۔ اور تاریخ اصلاح عالم میں یاد رکھنا چاہیے کہ ہر دعوت و انقلاب اصلاح نے سب سے پہلے جماعت ہی کو پیدا کیا ہے۔

دعوت الٰہی اگر کوئی بیج ہے، تو اس کے درخت کی پہلی شاخ جماعت ہی ہے۔ دنیا میں جب کبھی اصلاحی تغیر ہوا ہے تو محض تعلیمات سے نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس جماعت کے اعمال سے ہوا ہے جو ان تعلیمات کی حامل و محافظ تھی۔

وہ صدائیں جو محض زبانوں سے اُٹھتی ہیں، ہوا کی منجمد سطح میں تموج پیدا کر سکتی ہیں، مگر دلوں کے سمندر میں لہریں پیدا نہیں کر سکتیں، کان ان کو سنتے ہیں، پر دل ان کے آگے مسجود نہیں ہوتے۔

یہی سبب ہے کہ دنیا میں جب کبھی مصلحین حق کا ظہور ہوا، خواہ وہ ظہور انبیاء و رسل کرام کا تھا، جو بمنزلہ اصل ہیں، یا ان کے متبعین و مجددین کا جو بمنزلہ فرع و ظل کے ہیں، مگر ہمیشہ ان کا پہلا کام یہی رہا کہ انہوں نے اپنی تعلیم و دعوت کا نمونہ ایک جماعت کی صورت میں پیش کیا۔ اور پھر یہ بنیاد جتنی محکم بن سکی، اتنا ہی استحکام بعد کی تعمیرات کو بھی حاصل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم کی نسبت قرآن کریم نے تصریح کی ہے کہ:-

قد كانت لكم	بیشک تمہارے واسطے اتباع و
اسوة حسنة فی	پیروی کے لیے ایک بہترین نمونہ اور نصب
ابراهيم والذين	العین ہے حضرت ابراہیم کی زندگی میں نیز
معه (۶۰ : ۴)	ان کے ساتھیوں کی زندگی میں۔

فرمایا کہ "والذین معه" اور وہ لوگ جو ان کے ساتھی ہیں۔ یہی "معیت" ہے جو اعمال اصلاح و نبوت کی حامل و محافظ ہوتی ہے۔ اور اس امانت دعوت و اصلاح کو دنیا میں پھیلانے کے لیے سنبھال لیتی

ہے۔ جو انبیاء کرام لے کر دنیا میں آتے ہیں۔

حضرت نوحؑ جب کشتی میں سوار ہوئے تو ستر آدمی اُن کے ساتھ تھے۔ حضرت موسیٰؑ کا ساتھ ابتداء میں خود بنی اسرائیل میں سے بھی ایک تعداد قلیل نے دیا۔ حضرت مسیحؑ نے اپنی تمام حیات دعوت میں بارہ آدمی پیدا کیے۔ لیکن فی الحقیقت یہی جماعتیں تھیں جنھوں نے لاکھوں اور کروڑوں دلوں کو مسخر کیا، اور زمین کے بڑے بڑے حصوں کو اپنی اصلاح و دعوت کے آگے سربسجود پایا۔

کیونکہ وہ دعوت و اصلاح کی جماعتیں تھیں جو ان تعلیمات کا اپنے اعمال و افعال کے اندر نمونہ رکھتی تھیں۔ اور زبان کی پکار ضائع جا سکتی ہے پر اعمال کی صدا کبھی جواب لیے بغیر نہیں رہتی۔

پس اصلاح عالم کا یہ آخری ظہور جس نے دین الٰہی کو اس کے قدیم نام "اسلام" کے ساتھ پیش کیا، یہ بھی دنیا میں اسی لیے آیا تا ایک جماعت پیدا کرے، اور اس نے "جماعت" پیدا کی۔ یہی جماعت تھی جس کو خدا نے اپنے کاموں کے لیے چن لیا، اور اس کے دلوں کو اپنے جمال و صفات الٰہیہ کا مسکن بنایا۔

عشق الٰہی کی وہ آتش مقدس جس کے لیے نوحؑ نے لکڑیاں چنیں، جس کو ابراہیم خلیلؑ نے اپنے دامن قربانی سے ہوا دی، جس کی

چنگاریاں وادی ایمن کی تاریکی میں چمکیں، جس کے شعلوں کے لیے مسیحؑ کی قربانی کے خون نے تیل کا کام دیا، اور جو بالآخر جبل ابو قبیس کے غاروں میں سراجاً منیرا بن کر بھڑکی۔

اسی کے شعلوں سے اس جماعت الٰہی نے اپنے دلوں کی انگیٹھیوں کو روشن کر لیا تھا۔ اور یہ انگیٹھیاں گو تعداد میں قلیل، اور دنیا کی تاریکی وسیع و عالمگیر تھی، لیکن انہی سے دعوۃ و اصلاح کے وہ لاتعد و لاتحصی چراغ روشن ہوئے۔ جن میں سے ایک ایک چراغ زمین کے بڑے بڑے رقبوں اور انسانوں کی بڑی بڑی آبادیوں میں آفتاب جہاں تاب بن کر ظلمت ربائے عالم ہوا۔

یہی وہ خدا کی روشنی تھی جو اس کی جماعت میں سے ہو کر چمکی، اور جس کو خدا نے "نور اللہ" کے لقب سے یاد کیا:۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم و اللہ

متم نورہ ولو کرہ الکافرون ۰

آسمان کی بادشاہت:۔

میرا مقصود تاریخ دعوت اسلامیہ کی اس اولین جماعت سے ہے۔ جس نے حضرت ابراہیم خلیل کے ساتھیوں کی طرح محمد رسول اللہ (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا ساتھ دیا۔ اور اتباع اعمال نبوت کے

ذریعہ خود اپنے اندر خصائص و برکات نبوّت پیدا کر لیے۔

محمد رسول الله	محمدؐ رسول اللہ، اور وہ لوگ جو
والذین معه اشداء	اُن کے ساتھ ہیں، دشمنان حق کے مقابلے
علی الکفار رحماء	میں نہائت سخت مگر آپس میں نہائت
بینهم تراهم رکعا	رحم دل، ان کو تم ہمیشہ اللہ کے آگے عالم
سجدا یبتغون	رکوع و سجود میں دیکھو گے، کہ اللہ کے فضل
فضلا من الله و	اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں۔
رضوانا سیماهم	ان کی پیشانیوں پر کثرت سجود کی وجہ
فی وجوههم من	سے نشان بن گئے ہیں۔
اثر السجود (۴۸:۲۹)	

یہی جماعت تھی جس کے الٰہی کاروبار کو حضرت مسیحؑ نے "آسمان کی بادشاہت" سے تعبیر کیا، کیوں کہ فی الحقیقت وہ دنیا کو قوائے شیطانیہ کے تسلط سے نکالنے والی تھی، اور اسی کے اعمال حقہ کے ذریعہ دنیا میں، خدا کا تخت عدل و صلاح بچھنے والا تھا۔ وہ ایک بیج تھا جو بوتے وقت گو حقیر اور بہت حقیر اور بہت چھوٹا تھا، پر بار آور ہونے کے بعد ایک درخت وسیع و تناور بننے والا تھا۔ اسی لیے مسیحؑ نے اس کو اس تمثیل میں بیان کیا کہ:۔

"آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے پر جب اُگتا ہے تب سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر بسیرا لیتے ہیں"۔ (متی ۱۳ : ۲)

چنانچہ پچھلی آیت میں اسی تمثیل کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا:۔

ذٰلك مثلهم فی	یہی جماعت ہے جس کو توریت
التوراة ومثلهم فی	اور انجیل میں ایک کھیتی سے تمثیل
الانجیل (الخ)	دی ہے ۔(الخ)

دیکھو آسمان کی بادشاہت کا یہ بیج جو بویا گیا تھا فی الحقیقت کیسا حقیر تھا؟ ایک جماعت قلیل و حقیر جس کو نہ سازوسامان دنیوی حاصل تھا، اور نہ کسی طرح کی دنیوی ریاست و عزت، نہ اس کے آلات جنگ تھے، نہ کوئی مسلح فوج۔ چند فقرا و ھوالیک تھے۔ جنہوں نے دعوت الٰہی کا ساتھ دیا۔ اللہ کی پکار کو سن کر اس کی تلاش میں نکلے۔ اور آسمان کے لیے زمین والوں سے اپنا رشتہ قطع کر دیا۔ ان کے پاس پرہیبت جسم نہ تھے اور نہ خونخوار اسلحہ، مگر ان کے سینوں میں صداقت شعار دل تھے۔ اور ان کی آنکھوں میں سچائی کے آنسو۔ انہوں نے تعلیم الٰہی کو

اپنا دستور العمل بنایا۔ اُنہوں نے ہر اُس لفظ کو جو خدا کے مقدس پیغامبر کی زبان سے نکلا، اپنے اعمال و افعال کے اندر محفوظ کر لیا۔ ان کی زبانیں خاموش تھیں مگر اُن کے اعمال گویا تھے۔ اُنہوں نے اُس "اسوۂ حسنہ" کی زندگی کو اپنا نصب العین بنایا تھا۔ جو گو انسان تھا، مگر اپنے ہر فعل کے اندر ایک خدا نما جلوۂ الٰہی رکھتا تھا۔ وہ نہ صرف تعلیم، بلکہ ایک عملی نمونہ لے کر دنیا میں بڑھے، اور آسمان کی پادشاہت کا وہ مقدس تخم جس کی منادی شام کے مرغزاروں میں ہوئی تھی، حجاز کے ریگستانوں میں نشو و نما پانے لگا۔ تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ ایک سرسبز و تناور درخت نے اپنی ڈالیوں سے کرۂ ارضی کو چھپا لیا۔ ہوا کے پرندوں نے اس کی شاخوں میں نشیمن بنائے۔ اور زمین کی مخلوقات نے اس کے سائے میں پناہ لی:۔

اصلها ثابت و	وہ درخت کہ جڑ اس کی زمین کے اندر
فرعها فی السماء	مضبوط اور بلند ٹہنیاں آسمان تک پہنچی
تؤتی اکلها کل حین	ہوئی ہیں، قوت الٰہیہ کی نشو فرمائی سے
باذن ربها ویضرب	وہ ہر وقت کامیابی کا پھل لاتا رہتا ہے،
الله الامثال للناس	اور یہ ایک مثال ہے۔ اللہ بیان کرتا ہے
لعلهم یتذکرون (۱۴ : ۲۵)	تاکہ لوگ سوچیں اور غور کریں۔

تلاش مکان یا تلاش مکین؟ :-

یاد رکھو! وہ خدا جو مکان و زمان سے منزہ ہے، جب دنیا میں آتا ہے، تو اپنے بسنے کے لیے گھر چاہتا ہے۔ زمین کی شاندار آبادیاں، پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں، سمندروں کی ناپیدا کنار موجیں، صحراؤں کے وسیع میدان، یہ سب اس کے لیے بے کار ہیں۔ پادشاہوں کے تخت، لعل و جواہر سے لبریز خزانے، بڑے بڑے گنبدوں اور ستونوں کے عظیم الہیئۃ ایوان و محل اس کا گھر نہیں بن سکتے۔ تم اس کے لیے ایک گھر پیدا کرو۔ جو اس کے جمال قدس کا نشیمن، اور اس کے حسن ازلی کا کاشانہ بن سکے۔ تم جو اس کی جستجو میں نکلنا چاہتے ہو، بہتر ہے کہ پہلے اپنی جستجو میں نکلو۔ تم کہ اس کے نہ ملنے کے شاکی ہو، چاہیے کہ پہلے اپنی گم گشتگی پر ماتم کرو! اس کے حریم محبت کا دروازہ ہمیشہ سے بے حجاب ہے۔ اس کے کاشانۂ وصال کے باب عشق نواز پر کوئی پاسبان نہیں۔ وہ تو ہر آن و ہر لمحہ اپنے متلاشیوں کا منتظر ہے لیکن ساری محرومی اس میں ہے کہ تمہارے پاس کوئی مکان ہی نہیں، جو اس کے قدوم کا مکین بن سکے!

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست

اس کے بسنے کے لیے چاندی اور سونے کا محل اور صندل و آبنوس کا تخت مطلوب نہیں ہے جس میں لعل و الماس کے ٹکڑے جڑے ہوں۔ وہ ان دلوں کا طالب ہے جن میں اس کے درد محبت کے زخموں سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ اس کے لیے فقیروں اور خاک نشینوں کی ایک ایسی جماعت چاہیے جن کے دل ٹوٹے ہوئے، جن کے جگر جلے ہوئے، جن کی آنکھیں خوں بار ہوں۔ یہی ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اس کے رہنے کے لیے ایوان، محل ہیں۔ اور یہی اُجڑی ہوئی بستیاں ہیں جن کو اس نے اپنی آبادی کے لیے چن لیا ہے۔ وہ کہ آبادیوں کی رونق، صحراؤں کی فضا، پہاڑوں کی بلندی، ملکوت السماوات کی بوقلمونی اُسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ دلوں کی اُجڑی ہوئی بستیوں اور ٹوٹی پھوٹی دیواروں کو اپنا کاشانۂ وصال بناتا ہے۔ اور اس گھر کے سوا اور کوئی جگہ اُسے پسند نہیں۔ لا وسعنی ارضی ولا سمائی، ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔ وایضاً قال انا عند المنکسرۃ قلوبہم۔

انا عرضنا الامانۃ	ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور
علی السمٰوٰت و	زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی
الارض والجبال	لیکن سب نے اس کے اُٹھانے سے

فابین ان یحملنہا	انکار کر دیا اور اس بار گراں کے متحمل
واشفقن منہا فحملہا	نہ ہو سکے لیکن انسان آگے بڑھا اور اسے
الانسان انہ کان	بلا تامل اٹھا لیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے
ظلوماً جہولاہ	اوپر سخت ظلم کرنے والا اور سرگشتۂ نادانی ہے"

وقال مولی الجامی، قدس اللہ سرہ السامی:-

غیر انساں کسش نہ کردہ قبول　　زانکہ انساں ظلوم بود و جہول

ظلم او آں کہ ہستی خود را　　ساخت فانی بقائے سرمد را

جہل او آنکہ ہر چہ جز حق بود　　صورت آن ز لوح دل بر بود

لیک ظلمے کہ عین معدلت ست

نغز جہلے کہ مغز معرفت ست

فلولم یکن للانسان قوۃ ھذہ الظلومۃ

والجہولۃ لما حمل تلک الامانۃ العظیمۃ الالھیۃ

× × × × × × ×

بس اس قدوس و قدیم کا کوئی گھر ہو سکتا ہے تو وہ صرف ان انسانوں کے دلوں ہی کا آشیانۂ محبت ہے، جنہوں نے اس گھر کو اس کے بسنے کے لیے پہلے ہی سے سنوار رکھا ہے، اور اس کی آرائش و تزئین سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ دنیا کے گھروں کی طرح اس گھر کی آرائش

کے لیے نہ تو حریر و اطلس کے پردوں کی ضرورت ہے، نہ دیبا و قاقم کے فرش و قالین کی۔ اس کی آرائش کے لیے صرف ایک ہی چیز مطلوب ہے۔ یعنی زخمِ محبت کی خونابہ فشانی جس کے چھاپوں سے اس کی دیواریں ہمیشہ گلزار رہیں:-

جز محبت ہر چہ بردم سود در محشر نداشت
دین و دانش عرضہ کردم کس بہ چیزے بر نداشت

× × × × × × ×

شبلی را در خواب دیدند و پرسیدند کیف وجدت سوق الاخرۃ؟ بازار آخرت را چہ طور سرِ یافتی؟ گفت بازاریست کہ رونق ندارد دریں بازار مگر جگر ہائے سوختہ و دلہائے شکستہ آہ ہائے سوزاں و چشم ہائے خوں افشاں! سوختہ را مرہم نہند شکستہ را باز بندند، و چشم ہائے خوں چکاں را از سرمۂ نظارہ را مجلی و منور سازند

دل شکستہ دراں کوئی مے کنند درست
چناں کہ خود نہ شناسی کہ از کجا بشکست

پس اگر تم اس کے طالب ہو تو ایک جماعت پیدا کرو تا اس کی جلال و قدوسیت کا وہ آشیانہ بنے۔ اگر تمہارے پاس گھر نہیں ہے تو بسنے والے کی تلاش میں کیوں سرگرداں ہو؟ مکین سے پہلے مکان چاہیے

کہ مکان کی فکر کرو۔

اعمال الٰہیہ:۔

دنیا کے اندر تبدیلی پیدا کرنا آسان نہیں ہے۔ تم کسی گھر کی ایک دیوار یا کھڑکی بدلنی چاہتے ہو تو اس کے لیے کیا کیا سروسامان کرنے پڑتے ہیں؟ پھر جو لوگ سطح ارضی کے بڑے بڑے رقبوں اور انسانوں کی عظیم الشان آبادیوں کے اعمال و معتقدات کو بدل دینا چاہتے ہیں، ان کو سوچنا چاہیے کہ ان کا مقصد کس درجہ مشکل اور کٹھن ہے؟

دنیا میں مادی انقلابات ہمیشہ سلطنتوں کے تغیرات اور خونریز جنگوں کے ظہور سے ہوتے رہتے ہیں؟ لیکن غور کرو کہ ان میں کا ہر چھوٹا سے چھوٹا انقلاب بھی کیسی گراں قدر قیمت رکھتا ہے؟ قرنوں کے خزانے لٹا دیے جاتے ہیں۔ کروڑوں گنیوں کے قرض لیے جاتے ہیں۔ پھر فوجوں کے سمندر طوفان میں آتے ہیں، قیمتی سے قیمتی آلات واسلحہ کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ بے شمار انسانوں کی قربانیاں تڑپتی، اور خون کی ندیاں بہتی ہیں۔ عورتیں، بیوہ، بچے یتیم، والدین زندہ در گور ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہتا ہے، جب کہیں جا کر ایک چھوٹا سا ملکی انقلاب تکمیل کو پہنچتا ہے۔ پھر وہ بھی یقینی نہیں کہ ہزارہا کوششیں رائگاں اور صدیوں کی امیدیں پامال بھی

ہو جاتی ہیں۔

جب دنیا کے ان مادی انقلابات کا یہ حال ہے جو صرف انسانی حکومت کے تحت، اور انسانی نسلوں کی آبادیوں کو متغیر کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس روحانی اور قلبی انقلاب کو سوچو جو زمین کی سطح اور انسان کے جسموں کو نہیں بلکہ روحوں اور دلوں کی اقلیموں کو پلٹ دینا چاہتے ہیں۔ اور کروڑوں انسانوں کے اعمال و خصائل کے اندر تبدیلی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ان انقلابات کے لیے کیا محض انسانی قوت و تدبیر، اور محض اخلاق و مذہب کے چند رسمی اصولوں کو پکار دینا ہی کافی ہو سکتا ہے؟

تم ایک مرتبہ خود اپنے ہی نفس کو آزما دیکھو۔ جس پر تمہارے ارادے کو پوری قدرت ہے۔ کیا ایک چھوٹی سی چھوٹی تبدیلی بھی اپنے نفس و اعمال کے اندر بآسانی پیدا کر سکتے ہو؟

پھر جب تم ایک نفس کی تبدیلی پر جو خود تمہارے اختیار میں ہے قادر نہیں تو ان کروڑوں دلوں کو کیونکر بدل دے سکتے ہو، جن پر تمہاری نہیں، بلکہ صدیوں کے پرورش یافتہ و محکم اعتقادات و اعمال کی حکومت قاہرہ، اور نفس کا تسلط جابرہ قائم ہے؟

اصل یہ ہے کہ انسان جسم کو پارہ پارہ کر دے سکتا ہے، پر دلوں

کو نہیں بدل سکتا۔ زمین کی خشکی و تری کا نقشہ ممکن ہے کہ وہ بدل دے۔
لیکن قلب و روح کا ایک گوشہ بھی اس کے پھیرے سے نہیں پھر سکتا ہے
وہ تعلیم دے سکتا ہے۔ اور اصلاح! اصلاح! پکار بھی سکتا ہے۔ لیکن نہ تو
فتح مندی کا بیج اس کے دامن میں ہے اور نہ بارآور کرنے والی نشوونما
اس کے قبضے میں۔ یہ صرف اسی قدیر و حکیم کے دست قدرت کا کام
ہے، جو مقلب القلوب اور محول الاحوال ہے۔ اور جو ہمیشہ اپنے کاروبار
قدرت کی نیرنگیاں دکھلاتا اور اپنی عجائب فرمائی پر حیرانی و تخیر کی
بخشش کرتا ہے۔

پس اگر تم کہ انسان ہو، انسانوں کو بدلنا، اور ارواح و قلوب کے
عوالم روحانیہ کو منقلب کر دینا چاہتے ہو، تو یاد رکھو کہ جب تک تم
انسان ہو، ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ انسانوں کو اس کی قدرت نہیں دی
گئی۔ البتہ اگر تم اپنے اندر قوت الٰہی پیدا کر لو، اگر اپنی جماعت کے
اندر اس کارفرمائے حقیقی کا ایک گھر بنا لو۔ تمہاری صداؤں کی جگہ تمہارے
اندر سے اُس کی آواز نکلنے لگے۔ تمہاری آنکھوں کے حلقوں سے
تمہاری نظروں کی جگہ اس کی نگاہیں ہو جائیں۔ یعنی از فرق تا بقدم
اپنے تمام اعمال و خصائل میں ایک پیکر اخلاق الٰہی بن جاؤ۔ تو پھر تمہارے
کام، خود تمہارے کام نہ ہوں گے، جن کے لیے انتظار، حسرت اور

ناکامی ہو۔ بلکہ یکسر اس قادر و مقتدر کے کاروبار ہوں گے، جس کا دامن عز و کبریائی اس سے بہت اقدس و منزہ ہے کہ آلودۂ ناکامی و ملوث حسرت و افسوس ہو۔ پھر جب وہ کہ سب کا مالک ہے، تم میں ہوگا تو تم کو بھی اس کے ملک کی ہر شے پر قدرت ہو جائے گی۔ کیونکہ تمہاری قدرت درحقیقت اسی کی قدرت ہوگی۔ تمہاری صدائے دعوت ایک سیلاب انقلاب ہوگی۔ جس کو دنیا کی کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔ تمہاری زبانوں سے جو کچھ نکلے گا، وہ دلوں اور روحوں پر نقش ہو جائیگا اور پھر نہ زمین کا پانی اُسے دھو سکے گا، اور نہ آسمان کی بارش اُسے محو کر سکے گی۔ تمہاری تعلیم بیج اور پھل دونوں اپنے ساتھ لائے گی اور تم گو چپ رہو گے، لیکن تمہاری خاموشی کی ایک ایک صدائے عمل پر کروڑوں ہستیاں اپنے دلوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر پیش کش کریں گی۔ تمہاری آنکھوں سے جب شرارے نکلیں گے تو دنیا میں کس کی آنکھ ہوگی جو اس سے دوچار ہو سکے؟ تمہاری زبانوں سے جب لسان الٰہی کی صدائے دعوت اُٹھے گی، تو خدا کی آواز کو سُن کر اس کی کون مخلوق ہے جو لبیک نہ کہے گی؟ تم جس طرف سر اُٹھاؤ گے، دلوں کو سربسجود اور روحوں کو معترف عجز و نیاز پاؤ گے، اور خدا کا قاہر و مقتدر ہاتھ تم میں سے ظاہر ہو کر ملکوں اور قوموں کو منقلب کر دے گا۔

تم ایک عالم کو بدلنا چاہتے ہو۔ تمہارے سامنے صدیوں کی ایک محکم عمارت ہے۔ تم چاہتے ہو کہ اُسے یکسر ڈھا دو، اور اس کی جگہ ایک نیا محل تعمیر کرو۔ لیکن اس کے لیے تمہارے دست و بازو کی قوت تو کافی نہیں جب تک تمہارے ہاتھ کے اندر سے اللہ کا ہاتھ نمایاں نہ ہوگا اس ردو قبول اور ہدم و بنا سے عہدہ برا نہ ہو سکو گے۔

تشریح مزید :-

حکیم و جاہل اور فرزانہ و ہوشیار میں مرئیات و مشاہدات کا فرق نہیں بلکہ صرف چشم نظارہ اور دل فکر فرما کا۔ تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ یہ کیا بوالعجبی ہے کہ پاک تعلیمات کا اثر اور مقدس صداؤں کی تاثیر ہم میں سے مفقود ہو گئی ہے؟ یہ کیوں ہے کہ بہتر سے بہتر ارادے ہمارے ذہنوں میں، اعلےٰ سے اعلےٰ خیالات ہماری فکر دل میں، اور پاک سے پاک تعلیمات ہماری زبانوں پر ہیں، مگر نہ تو ارادوں میں قبولیت ہے۔ نہ خیالات میں فعالیت اور نہ تعلیمات میں اثر۔ جس دنیا کے بڑے بڑے وسیع ٹکڑوں کو صرف ایک زبان کی دعوت نے مضطر و سیماب وار کر دیا تھا، آج اسی دنیا میں بڑی بڑی جماعتوں کی صدہا صدائیں ایک نفس واحد کی غفلت جامد و ساکن میں حرکت پیدا نہیں کر سکتیں۔ یہی اسلام کی صدائے دعوت اور یہی اس کی کتاب ہدایت کی صدائے اصلاح اس وقت بھی تھی؛

جب کہ اس کے ایک ایک داعی نے ایک ایک اقلیم کو مسخر اثر کر لیا تھا، اور یہی اب بھی ہے کہ خود اپنے دلوں ہی میں تپش محسوس نہیں ہوتی، دوسروں کی انگیٹھیاں اس سے خاک روشن ہوں گی!

ایک ہی علت سے دو مختلف نتیجے پیدا نہیں ہو سکتے۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کا سر انقلاب و تغیر ہمیشہ صدائے عمل کے آگے جھکا ہے۔ نہ کہ صدائے قول کے سامنے۔ حقیقی شے ہر تعلیم کے لیے "نمونہ" ہے، اور جب تک مصلح اپنے اندر اپنی اصلاح کا نمونہ نہیں رکھے گا اس کی تعلیم دلوں کی قبولیت اور روحوں کی اطاعت سے محروم رہے گی۔

آگ جب جلتی ہے تو سب سے پہلے جلانے والے کو گرم کرتی ہے۔ اگر تمہارے پاس آگ موجود ہے تو سب سے پہلے اپنے آپ کو سوز و تپش میں دکھلاؤ، پھر دوسروں کو گرمی و حرارت کی دعوت دینا اگر خود تمہارے اندر آگ موجود ہے تو اس مجمر سوزاں کو جہاں کہیں بھی رکھو گے، خود بخود ہر طرف گرمی پھیل جائے گی۔ کیوں کہ گرمی آگ کے شعلوں سے نکلتی ہے، برف کی سل سے پیدا نہیں ہو سکتی!

اسلام نے ایک جماعت صحابۂ کرام کی پیدا کر دی تھی جو اس تعلیم کا ایک صحیح ترین عملی نمونہ اپنے اندر رکھتی تھی، اور ان میں کا ہر فرد اس اسوۂ حسنہ کی قوت سے ایک ایک اقلیم کی تسخیر اپنے قبضہ

اقتدار میں رکھتا تھا۔ ان کے اعمال کے اندر تعلیمات الٰہیہ کی مقدس انگیٹھی شعلہ فروز تھی، اس لیے وہ جہاں جاتے تھے، ایک آتش کدہ اثر اپنے ساتھ لے جاتے تھے +

اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط (۱۲ : ۴۰)

اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ٥ (۵ : ۵۰)

وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ( )

فَالْحُكْمُ لِلّٰہِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ( )

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ( )

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وقف وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ٥ (۶ : ۶۲)

لوگ دنیا میں سینکڑوں قوتوں کے محکوم ہیں:۔

ماں باپ کے محکوم ہیں، دوست واحباب کے محکوم، استاد و مرشد کے محکوم ہیں، امیروں، حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم ہیں۔ اگرچہ

وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے آئے تھے، مگر دنیا نے ان کے پاؤں میں بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں۔

لیکن مومن و مسلم ہستی وہ ہے جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے اس کے گلے میں محکومی کی ایک بوجھل زنجیر ضرور ہے، پر مختلف سمتوں میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں۔ وہ ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے، کیوں کہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ اُسے رفیقوں اور ساتھیوں کے ساتھ سچے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ اپنے سے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے، کیوں اس کے ادب آموز حقیقی نے اُسے ایسا ہی بتلایا ہے۔ وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے۔ کیوں کہ حاکموں کے ایسے حکموں کے ماننے سے اُسے نہیں روکا گیا ہے جو اس کے حاکم حقیقی کے حکموں کے خلاف نہ ہوں۔ وہ دنیا کے ایسے بادشاہوں کی بھی اطاعت کرتا ہے جو اس کی آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں۔ کیونکہ اُسے تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے۔ لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے، تو اس لیے نہیں کرتا کہ ان سب کے اندر کوئی حکم ماننا اور ان کو جھکنے کی جگہ سمجھتا ہے، بلکہ اس لیے کہ اطاعت صرف

ایک ہی کے لیے ہے، اور حکم صرف ایک ہی کا ہے۔ جب اس ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا تو ضرور ہے کہ خدا کے لیے ان سب بندوں کو بھی مانا جائے۔ اور اللہ کی اطاعت کی خاطر وہ اس کے بندوں کا بھی مطیع ہو جائے۔

پس فی الحقیقت دنیا میں ہر انسان کے لیے بے شمار حاکم اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں۔ لیکن مومن کے لیے صرف ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہ صرف اسی کے آگے جھکتا ہے، اور صرف اسی کو مانتا ہے۔ اس کی اطاعت کا حق ایک ہی کو ہے۔ اس کی پیشانی کے جھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے۔ اور اس کے دل کی خریداری کے لیے بھی ایک ہی خریدار ہے۔ وہ اگر دنیا میں کسی دوسری ہستی کی اطاعت کرتا بھی ہے تو صرف اسی ایک کے لیے۔ اسی لیے اس کی بہت سی اطاعتیں بھی اس ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں:-

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا تھا:-

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ — بہت سے معبود بنا لینا

خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ — بہتر ہے یا ایک ہی قاہر و مقتدر

الْقَهَّارُ؟ (۱۲ : ۳۹) — خدا کو پوجنا؟

یہی وہ خلاصہ ایمان و اسلام ہے۔ جس کی ہر مومن و مسلم کو قرآن کریم نے تعلیم دی ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا — تمام جہان میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جس

لِلّٰهِ ۚ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا — کی حکومت ہو۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا

اِلَّآ اِيَّاهُ ( ) — اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو اپنا معبود بنائیں

یہی "دین قیم" ہے جس کی پیروی کا حکم دیا گیا:

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ( )

حدیث صحیح ہے کہ فرمایا:-

لا طاعة لمخلوق — جس بات کے ماننے میں خدا کی

فی معصیة الخالق۔ — نافرمانی ہو اس میں کسی بندے کی فرماں

(بخاری و مسلم) — برداری نہ کرو۔

اسلام نے یہ کہہ کر فی الحقیقت ان تمام ماسوا اللہ اطاعتوں اور فرماں برداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد و حر کامل کر دیا جس کی بیڑیوں سے تمام انسانوں کے پاؤں بوجھل ہو رہے تھے۔ اور اس

ایک ہی جملہ میں انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت اس وسعت اور احاطہ کے ساتھ سمجھا دی کہ اس کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے، اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات کی ایک مکمل تصویر ہے۔ اس تعلیم الٰہی نے بتلا دیا ہے کہ جتنی اطاعتیں، جتنی فرماں برداریاں، جتنی وفاداریاں اور جس قدر بھی تسلیم و اعتراف ہے، صرف اُسی وقت تک کے لیے ہے جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو اور دنیا والوں کے وفادار بننے سے خدا کی حکومت کے آگے بغاوت نہ ہوتی ہو۔ لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آپڑے تو پھر تمام طاعتوں کا خاتمہ، تمام عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناطوں کا انقطاع اور تمام دوستوں اور محبتوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم حاکم ہے، نہ بادشاہ بادشاہ، نہ باپ باپ ہے، نہ بھائی بھائی، سب کے آگے تمرد، سب کے ساتھ انکار، سب کے سامنے سرکشی، سب کے ساتھ بغاوت پہلے جس قدر نرمی تھی، اتنی ہی اب سختی چاہیے۔ پہلے جس قدر اعتراف تھا، اتنا ہی اب تمرد چاہیے۔ پہلے جس قدر فرماں برداری تھی، اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے۔ پہلے جس قدر جھکاؤ تھا، اتنا ہی اب غرور ہو

کیونکہ رشتے کٹ گئے اور عہد توڑ ڈالے گئے۔ رشتہ دراصل ایک ہی تھا اور یہ سب رشتے اسی ایک رشتہ کی خاطر تھے۔ حکم ایک ہی کا تھا اور یہ سب اطاعتیں اسی ایک کی اطاعت کے لیے تھیں۔ جب ان کے ماننے میں اُس سے انکار اور ان کی وفاداری میں اُس سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا، اسی کی تلوار نے کاٹ بھی دیا اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا اسی کے ہاتھ نے الگ بھی کر دیا۔ کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

سرورِ کائنات اور سیدالمرسلین صلعم سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے؟ لیکن خود اُس نے بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی۔ تو فرمایا والطاعۃ فی معروف۔ میری اطاعت تم پر اسی وقت تک کے لیے واجب ہے جب تک کہ میں تم کو نیکی و معروف کے ساتھ مشروط کروں، تو پھر دنیا میں کون بادشاہ، کون سی حکومت، کون سے پیشوا، کون سے راہنما اور کون سی قومیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کی اطاعت ظلم و عدوان کے بعد بھی ہمارے لیے باقی رہے؟

آدمؑ کی اولاد دو کی محکوم نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک کے ساتھ ملے گی۔ دوسرے کو چھوڑے گی، ایک سے جڑے گی، دوسرے سے کٹے گی۔ پھر خدارا مجھے بتلاؤ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا اور کس سے ملے گا؟ ایک

ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک باقی رہے گا ایک کو چھوڑنا پڑیگا۔
پھر مجھے بتلاؤ کہ مومن کی اقلیم دل کس کی بادشاہت قبول کرے گی؟
کیا وہ اس سے ملے گا جس کی حالت یہ ہے کہ :-

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ	خدا نے جس کو جوڑنے اور ملانے کا
اَنْ يُّوْصَلَ (۲ : ۲۵)	حکم دیا ہے اُسے توڑتے اور جدا کرتے ہیں

کیا اُس کی بادشاہت قبول کرے گا جس کی حالت کی تصویر یہ ہے؟

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ	وہ دنیا میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲ : ۲۵)	اور انجام کار وہی ناکام ونامراد رہیں گے۔

اور کیا اُس بادشاہت سے گردن موڑ لے گا جو پکارتا ہے کہ :-

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا	اے غافل انسان! کیا ہے جس نے گھمنڈ میں
غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ	تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش
(۸۳ : ۶)	بنا دیا ہے؟

مگر آہ وہ کیسے ہو سکتا ہے؟

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ	تم اس شاہنشاہ حقیقی کی حکومت سے کیونکر
وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ	انکار کرو گے جس نے تمہیں اس وقت زندگی بخشی جبکہ
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ	تم مردہ تھے؟ وہ تم پر پھر موت طاری کریگا اس
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲ : ۲۱)	بعد زندگی بخشیگا پھر تم سب اسی کے پاس بلائے جاؤ گے

دنیا اور اس کی بادشاہیاں فانی ہیں۔ ان کے جبروت وجلال کو ایک دن مٹنا ہے۔ خدائے منتقم وقہار کے بھیجے ہوئے فرشتہائے عذاب' انقلاب و تغیرات کے حربے لے کر اُترنے والے ہیں۔ ان کے قلعے مسمار ہو جائیں گے' ان کی تلواریں کند ہو جائیں گی' ان کی فوجیں ہلاک ہوں گی' ان کی توپیں ان کو پناہ نہ دیں گی' ان کے خزانے ان کے کام نہ آئیں گے' ان کی طاقتیں نیست ونابود کر دی جائیں گی' ان کا تاج غرور ان کے سر سے اُتر جائے گا' ان کا تخت جلال وعظمت واژگوں نظر آئیگا :-

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ	اور جس دن آسمان ایک بادل کے ٹکڑے
بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ	سر سے پھٹ جائیگا اور اس بادل کے اندر سے
تَنْزِيْلًا ۞ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ	فرشتے جوق در جوق آتارے جائیں گے' اس دن
نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ	کسی کی بادشاہت باقی نہ رہے گی' صرف خدائے
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا	رحمٰن ہی کی حکومت ہوگی' اور یاد رکھو کہ وہ دن
( )	کافروں کے لیے بہت ہی سخت دن ہوگا

پھر اسی دن جبکہ ربّ الافواج اپنے ہزاروں ہزار قدسیوں کے ساتھ نمودار ہوگا' اور ملکوت السمٰوات والارض کا نقیب پکارے گا :-

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۔	آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۰: ۱۶)	نہیں صرف خدائے واحد وقہار کی

تو اس وقت کیا عالم ہو گا اُن انسانوں کا جنہوں نے بادشاہ ارض و سما کو چھوڑ کر مٹی کے تودوں کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے، اور ان کے حکموں کی اطاعت کو خدا کے حکموں کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں؟

آہ! وہ اس دن کہاں جائیں گے جنہوں نے انسانوں سے صلح کرنے کے لیے خدا سے جنگ کی؛ اور اپنے اس ایک ہی آقا کو ہمیشہ اپنے سے روٹھا ہوا رکھا۔ وہ پکاریں گے پر جواب نہ دیا جائے گا، وہ فریاد کریں گے پر سنی نہ جائے گی، وہ توبہ کریں گے پر قبول نہ ہو گی، وہ نادم ہوں گے پر ندامت کام نہ دے گی۔ اے انسان! اس دن کے لیے تجھ پر افسوس ہے۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔

وقیل ادعوا	ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے ان
شرکاءکم فلم	خداؤں اور حاکموں کو پکارو جن کو تم خدا کی
یستجیبوا لھم	طرح مانتے تھے اور خدا کی طرح ان سے ڈرتے
( )	تھے۔ وہ پکاریں گے پھر کچھ جواب پائیں گے

پس وہ معلم الٰہی، اور داعی ربانی، و بشیر و منذر، وہ رحمۃ للعالمین، وہ محبوب رب العالمین، وہ سلطان کونین آگے بڑھے گا، اور حضور خداوندی میں عرض کرے گا:۔

وقال الرسول یارب	اے پروردگار! افسوس کہ میری امت نے

ان قومی اتخذوا — قرآن کی ہدایتوں اور تعلیموں پر عمل نہ کیا۔
ھٰذا القرآن مھجورا — اس سے اپنا رشتہ کاٹ لیا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے
(   ) — جو وہ آج بھگت رہے ہیں۔

اللھم صل وسلم علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ واتباعہ الیٰ یوم الدین۔

پس سفر سے پہلے زادراہ کی فکر کر لو، اور طوفان سے پہلے کشتی بنا لو، کیونکہ سفر نزدیک ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہو چکے۔ جن کے پاس زادراہ نہ ہوگا وہ بھوکے مر جائیں گے، اور جن کے پاس کشتی نہ ہوگی وہ سیلاب میں غرق ہو جائیں گے۔ جب تم دیکھتے ہو کہ مطلع غبار آلود ہو، اور دن کی روشنی بدلیوں میں چھپ گئی ہو، تو تم سمجھتے ہو کہ برق باراں کا وقت آ گیا پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کی امن و سلامتی کا مطلع غبار آلود ہو رہا ہے دین الٰہی کی روشنی ظلمت کفر و طغیان میں چھپ رہی ہے۔ مگر تم یقین نہیں کرتے کہ موسم بدلنے والا ہے اور تیار نہیں ہوئے۔ کہ انسانی بادشاہوں سے کٹ کر خدا کی بادشاہت کے مطیع ہو جاؤ۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا کے تخت و جلال کی منادی پھر بلند ہو، اور اس کی زمین صرف اسی کے لیے ہو جائے۔ حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔
(۲ : ۱۹۳)

→ ✻ ←

اسلام کیا ہے؟

اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق و
صداقت ہے اور دفع باطل و ضلالت ہے
یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خواہ وہ
کسی صورت اور کسی شکل میں ہو۔ اور یہ ممکن
نہیں جب تک کہ ان تمام باطل پرستیوں اور
گمراہیوں کو دور نہ کیا جائے جن کو حق کی ضد
حقیقی یعنی قوت شیطانی مختلف مظاہر و
اشکال میں ہمیشہ پیدا کرتی ہے۔

(ابوالکلام)

اِسلام اور قانونِ مرکزیّت

عالمِ نباتات میں دیکھو، اس کی ایک مجتمعہ وحدت کتنی وسیع کثرت کے سے مرکب ہے؟ ڈالیاں ہیں، شاخیں ہیں، پتے ہیں، پھول ہیں، لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی! موت وفنا اس پر طاری ہوگئی آفاق کو چھوڑ کر عالمِ انفس کی طرف آؤ، اور خود اپنے وجود کو دیکھو۔ جس کے دیکھنے کے لیے نظر اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہر و باطنی اعضاء سے مرکب ہے؟ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے جو تم میں آباد ہے۔ ہر جسم کا فعل ہے اور ایک خاصہ۔ لیکن دیکھو! یہ ساری آبادی کس طرح ایک ہی مرکز کے آگے سر بہ سجود ہے؟ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے۔ اس سے الگ رہ کر ایک عضو بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اذا صلحت صلحت کلھا و اذا فسدت فسدت کلھا۔

اسلام فی الحقیقت سنت اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ اگر نوع انسانی کی سعادت وارتقار کے لیے قانون اسلام اسی فاطر السماوات والارض کا بنایا ہوا ہے۔ جس نے تمام کائنات کے لیے قانون حیات بنایا، تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہ ہو بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتی جزو نظر آئے جیسے زنجیر کی ایک کڑی۔ پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک ٹھیک اسی قانون مرکزیت پر قائم ہوا۔ قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام واشیار کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے، اسی طرح نوع انسانی اور اس کی جماعت وافراد کا جسمانی ومعنوی بقار بھی قانون مرکزیت پر موقوف ہے۔ جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز ومحور سورج کا وجود ہے، اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیار کرام کا وجود ہے۔ پس ان کی اطاعت وانقیاد بقار و حیات کے لیے ناگزیر ٹھیری۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ : ۶۸) دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور اسی لیے فرمایا :۔ فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان لکم فی رسول

اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ پھر قوم و ملت کے بقا کے لیے ہر طرح کے دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دیے ۔ اعتقادات میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھیرایا جس کے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے :۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرك به و یغفر ما دون ذٰلك لمن یشآء (۴ : ۵۲)

عباوات میں نماز کو مرکز عمل ٹھیرایا ۔ جس کے ترک کر دینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ہو جاتا ہے :۔ فمن اقامھا اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین ۔ اور اسی لیے یہ بات ہوئی ۔ کہ کان اصحاب رسول اللہ صلعم لا یرون شیئا من الاعمال بترکه کفر غیر الصلوٰۃ (ترمذی) یعنی صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کر دینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو ۔ اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکز سعادت وادی حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا ۔ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس ۔ "قیاما للناس" پر غور کرو ۔ اور چوں کہ یہ مرکز ٹھیرا اس لیے تمام دائرہ کا رُخ بھی اسی طرف ہوا ۔ خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں ، لیکن ان کا منہ اس طرف ہونا چاہیے :۔ وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

داعی اسلام کی جامعیّت

اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف
ایک اخلاقی معلم ہی نہ تھا، اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض
ایک جہانگیر اور عالم ستان۔ شہنشاہِ اسلام نے دین کو دنیا سے
اور شریعت کو حکومت و جہاں بانی سے الگ نہیں رکھا۔ وہ تو یہ
سکھلانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں، اور شریعت
سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ہے، بلکہ سچی حکومت اور خدا کی
مرضی کے مطابق سلطنت وہی ہے جس کو شریعت نے خود پیدا کیا ہو
پس اسلام کے داعی کا وجود ایک ہی وقت میں ان تمام حیثیتوں
اور منصبوں کا جامع تھا جو ہمیشہ دنیا کی صدہا مختلف شخصیتوں کے
اندر منقسم رہی ہیں۔ وہ اللہ کا پیغمبر تھا، شریعت کا مقنن تھا، امت
کا بانی تھا، ملکوں کا حاکم اور سلطنتوں کا مالک تھا۔ وہ اگر پتوں اور
چھال سے پٹی ہوئی مسجد کے ممبر پر وحی الٰہی کا ترجمان اور انسانی
سعادت و ہدایت کا واعظ تھا، تو اس کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم
کرنے والا اور فوجوں کو میدان جنگ میں بھیجنے کے لیے سپہ سالار
لشکر بھی تھا۔ وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھروں کا

نظامِ معاشرت درست کرتا۔ اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا اور مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمران کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا۔ غرضکہ اس کی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے۔ اور اسلام کا نظامِ دینی بھی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں +

انسانی حکومتوں کی آخری جائے پناہ

دنیاوی حکومتوں نے اگرچہ سیاست کو ظلم و جور، تمرد و طغیان، خود غرضی و ہوائے نفس، کذب و فریب، دسائس و دجل، اور حرص و مطامع کا مرادف بنا دیا، لیکن درحقیقت وہ ایک روحانی صداقت ہے، جس پر دنیا کی تمام صداقتوں کی طرح ابتلاء و امتحان، ترقی و تنزل اور ظہور و خفاء کے مختلف دَور گذر چکے ہیں۔ آغازِ خلقت میں جب انسان جنگل کے تاریک گوشوں اور پہاڑوں کے اندھیرے غاروں میں رہتا تھا، تو سیاست بھی اس کے تمام محاسن و فضائل کی طرح انہی تاریکیوں میں عزلت گزیں رہی۔ پھر جب دنیوی تمدن نے ترقی کی اور متمدن سلطنتیں قائم ہوئیں، تو سیاست نے بھی اس تاریک

اُفق سے سر نکالا، اور سلاطین کے ہوائے نفس کے ساتھ ساتھ مدتوں تک دنیا پر جابرانہ حکومت کرتی رہی۔ لیکن اس کا یہ جابرانہ دورِ حکومت خدا کی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ اس لیے وہ بادشاہوں کے عظیم الشان درباروں سے رخصت ہوئی، اس نے تاج و تخت کو ٹھوکر لگائی۔ اور مذہب کے داعیان الٰہی کے دامن میں جاکر پناہ لی۔

دنیا کی تمدنی تاریخ میں یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا۔ اس نے دنیا کی غیر متحرک فضا میں شعاع آفتاب کی رعشہ دار انگلیوں کی طرح ایک نورانی تموج پیدا کر دیا۔ جس کی پہلی لہر دریائے نیل سے اُٹھی۔ پھر ریگستان عرب میں پہنچ کر آب زمزم کی سطح ساکن کے اندر رل گئی ✦

اخلاق و سیاست کا اجتماع

جب دنیا کے ساتھ تمدّن نے اور زیادہ ترقی کی۔ تو اخلاق اور سیاست کی تصویریں ایک مرقع میں نظر آنے لگیں۔ اسلام اسی اخلاق و سیاست کا مجموعہ ہے۔

لیکن ہر اجتماع و ترکیب سے پہلے اس کے متفرق اجزاء کا الگ ہونا ضروری ہے۔ اور ہر اعتدال کے لیے افراط و تفریط کا وجود لازمی

ہے، سیاست کا ایک جزو یعنی قوت کو تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے پیدا کر دیا تھا۔ اور اس کی آخری نمائش دریائے احمر میں ہو چکی تھی لیکن دوسرا جزو یعنی اخلاق اب تک معدوم تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو بھی پیدا کر دیا' اور اس کے حریف یعنی سیاست و قوت کی رگ گردن کاٹ ڈالی یہود ٹھوس پتھر کی طرح سخت تھے۔ لیکن حضرت مسیحؑ نے اپنی معجزانہ آتش بیانیوں سے ان کو اس قدر گداز کر دیا کہ وہ ایک سیال مادہ بن گئے۔ جو ہر طاقت کے سامنے جھک جاتا تھا' لچک جاتا تھا' دب جاتا تھا۔

اگر کوئی شخص ان کے گال پر ایک طمانچہ مارتا تھا تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنا دوسرا گال بھی اس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اگر کوئی شخص ایک میل ان کو بیگار لینا چاہتا تھا تو وہ دو میل تک اس کا بوجھ پہنچا دیتے تھے۔ اظہار قوت کا سب سے بڑا ذریعہ حکومت ہے۔ لیکن انہوں نے دنیوی حکومت کے لیے کچھ نہ چاہا۔ اور صرف خدا کے غریب بندوں ہی کو آسمانی حکومت کی بشارت دی۔ قوت کی نمائش کے لیے جنگ ناگزیر ہے' لیکن انہوں نے کہا کہ اپنے دشمنوں کو بھی پیار کرو۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں قوت جس درجہ افراط تک پہنچ گئی تھی' ٹھیک اسی کے مقابل حضرت مسیحؑ نے اس درجہ تفریط

تک پہنچا دیا۔

اگرچہ اپنے اپنے وقتوں میں دونوں چیزیں صحیح اور عین اعتدال تھیں۔ اس بنا پر اعتدال کلی و دائمی کے لیے جس قسم کے الگ الگ افراط و تفریط کی ضرورت تھی، اب وہ پوری ہو گئی، اور قانون ارتقا جس جامع و مکمل مذہب کو ڈھونڈ رہے تھے، اس کے ظہور کا وقت آ گیا۔ پس زبان الٰہی نے اس معتدل امت کے پیدا ہونے کی بشارت دنیا کو سنا دی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً	اس طرح ہم نے تم کو ایک عدل و
وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ	توسط کی قوم بنایا، تاکہ تم لوگ دنیا کے
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ	لیے نمونہ ہو، اور پیغمبر تمہارے لیے
عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲ : ۱۴۳)	نمونہ ہو۔

داعی مذہب اسلام نے اس امۃ وسطا کے لیے اپنا اعلیٰ نمونہ قائم کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ ایک سخت طاقت و ر بادشاہ اور سخت جابر قوم کا مقابلہ کرنا تھا، اس لیے خدا نے اُن کو فطرتاً پرجلال بنایا تھا۔ اسی بنا پر فرعون کے سامنے نرم کلامی کی تلقین کرنا پڑی، لیکن پیغمبر اسلام خود ہی فطرتاً رحم و شفقت، کرم و رافت، عفو و درگذر کا خلق عظیم تھا:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ	یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان
لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا	کے لیے فطرتاً نرم خو پیدا کیے گئے اور
غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا	اگر تم سخت و سنگ دل ہوتے تو لوگ
مِنْ حَوْلِكَ ۖ (۳ : ۱۵۹)	تمہارے گرد جمع ہی نہ ہوتے۔

قوت اخلاق اور اس کا اسلامی استعمال

دنیا کے گوشے گوشے میں قوت کا خزانہ پنہاں ہے۔ بجلی کی رو خاک کے ہر ذرّے میں موجود ہے۔ نمو کی قوت زمین کے چپہ چپہ میں مخفی ہے، موجوں کا تلاطم ہر دریا کے اندر چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ قوتیں خود بخود نہیں ابھرتیں، بلکہ اپنے ظہور کے لیے ایک سخت کشمکش، ایک سخت مقاومت ایک سخت تصادم کی منتظر رہتی ہیں۔ پس جب کوئی قوت ان کو ٹھوکر لگا دیتی ہے تو وہ برہم ہو کر اپنے چہرۂ تابناک سے نقاب الٹ دیتی ہے؛ حرکت بجلی کے خزانے میں آگ لگا دیتی ہے۔ سیلاب کی رو زمین کی قوتِ نمو کو اُبال دیتی ہے، ہوا کے جھونکے سطح دریا پر موجوں کا جال پھیلا دیتے ہیں۔

اخلاق بھی ایک قوّت ہے جو انسان کے بطون و ارواح میں چھپی ہوئی ہے۔ لیکن اگر عطر کو شیشی میں بند رکھا جائے تو وہ مشام

جان کو معطر نہیں کر سکتا۔ اس کی بوئے جاں فزبار بار کے ہلنے ہی سے پھیلتی ہے۔ اسی طرح اگر انسان تمام دنیا سے الگ ہو کر ایک قلعۂ کوہ پر عزلت گزینی اختیار کر لے تو اس کا اخلاقی جوہر ہمیشہ کے لیے پہاڑ کی تاریک غاروں میں چھپ جائے گا۔ لیکن خدا نے انسان کو اخلاق کی نمائش کرنے ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام نے اپنی بعثت کا مقصد تکمیل اخلاق قرار دیا۔ وہ خود بھی دنیا کے منظر عام پر نمایاں ہوئے، اور اپنی اُمت کو بھی نمایاں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کی نمائش وادی تیہ میں کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقصد کے لیے ایک وادی غیر ذی زرع کو منتخب فرمایا، اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے تو کائنات عالم کے ہر میدان میں اپنا اور اپنی امت کا اسوۂ حسنہ پیش کر دیا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت	تم لوگ دنیا کی ایک بہترین اُمت
للناس تأمرون بالمعروف	ہو جو منظر عام پر نمایاں کی گئی کیونکہ تم نیکی
وتنھون عن المنکر	کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو۔
وکذلک جعلنکم امۃ	اور ہم نے تم کو ایک صاحب عدل و
وسطا لتکونوا شھداء	معدلت قوم بنایا تاکہ تم دنیا کے آگے
علی الناس ویکون الرسول	اپنے زبان و عمل سے حق کی شہادت دو

عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا ۔ اور اس شہادت کی روشنی صرف اپنے رسول سے اخذ کرو۔

اسلام نے اسی اصول کی بنا پر رہبانیت کو ناجائز قرار دیا۔ کیونکہ انسان کا اخلاقی جوہر بھی دنیا کی دوسری قوتوں کی طرح تصادم و کشمکش ہی کے ذریعے نمایاں ہو سکتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ہم نے انسان کو ایک بہترین طبیعت مرکبہ عالیہ میں پیدا کیا۔

اس لیے اس نے ایسے اسباب مہیا کر دیے جو انسان کے حاشیۂ اخلاقی کو ہر وقت نمایاں کرتے رہتے ہیں۔ اگر ایک شخص گھر میں ہے تو اعزا و اقارب کے تعلقات سے اس کے اخلاق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر بزم احباب میں ہے، تو دوستوں کے اختلاط و ارتباط کو اس کے اخلاق کا معیار بنایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کسی بازار میں ہے تو معاملات کے ذریعے سے اس کے عیب و ہنر نمایاں ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا مقصد اصلی

اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق و صداقت ہے اور دفع باطل و ضلالت ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ خواہ وہ کسی صورت اور کسی شکل میں ہو، اور یہ ممکن نہیں جب تک کہ ان تمام

باطل پرستیوں اور گمراہیوں کو دور نہ کیا جائے۔ جن کو حق کی ضد حقیقی یعنی قوت شیطانی مختلف مظاہر و اشکال میں ہمیشہ پیدا کرتی ہے۔ پس اس بنا پر ہر طرح کی انسانی گمراہیوں کو دور کرنے کے لیے سعی کرنا' اور باطل و ظلم کے مقابلہ میں حق و عدل کا حامی ہونا عین مقصد اسلام و ملت ظہور رسالت وسبب نزول شریعت ہے۔ اور اسی نصرت حق و دفع باطل کی سعی و کوشش کا نام اصطلاح قرآنی میں جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس مطلب کو واضح کرنے کے لیے یوں سمجھیے کہ امر بالمعروف اسلام کا مقصد اصلی ہے۔ لیکن امر بالمعروف ہو نہیں سکتا جب تک کہ نہی عن المنکر نہ کیا جائے امر بالمعروف کے معنی ہیں نیکی اور صداقت کی طرف بلانا' اور اس کا حکم دینا۔ نہی عن المنکر سے مقصود ہے برائیوں اور گمراہیوں کو روکنا۔ لیکن نیکی اور صداقت تو برائیوں کے دور ہونے ہی کا نام ہے۔ اور روشنی کے معنی ہی یہی ہیں کہ تاریکی نہ ہو۔ کپڑا صاف کیونکر رہ سکتا ہے جب کہ آپ اسے سیاہ دھبوں سے نہ بچائیں گے؟ پس امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر ناگزیر ہے۔ اور نہی عن المنکر ہی کا دوسرا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ باطل پرستی کا استیلا کبھی تو انسانوں کے غولوں اور ان کے خون ریز ہتھیاروں کی صورت میں ہوتا ہے' اور کبھی اعتقادات اور اعمال و افعال کی صورت میں، کبھی ضلالت تلوار و تفنگ ہاتھ میں

لے کر مسجدوں کی محرابوں اور اذان کے میناروں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے تاکہ پرستاران حق کو نابود کر دے، اور کبھی خیالات و عقائد کے مخفی ہتھیار لے کر چپکے چپکے اُن انسانی قلوب و اذہان کو مسخر کرنا چاہتی ہے جو حق کی پرستش کی مخفی مگر حقیقی عبادت گاہیں ہیں۔ کبھی وہ جنگ کی تلوار لے کر نکلتی ہے اور کبھی فریب کا دام و کمند، کبھی اس کے ہاتھ میں توپوں کے مشتعل کرنے کا فتیلہ ہوتا ہے اور کبھی زہر آلود جام شربت۔ دونوں قوات شیطانی کے مظہر اور دونوں اس کی حکومت کی ظاہر و مخفی فوج ہیں۔ پس جہاد کے معنی یہ ہیں کہ جب گمراہی کا ظہور جنگ کی ہتھیاروں کی صورت میں ہو تو پرستاران حق و امانت داران توحید کے ہاتھ میں بھی تیغ جہاد ہو۔ اور یہ دشمن ظاہری کے مقابلہ میں مدافعت ہے۔ لیکن جہاں گمراہی کا ظہور نفس و شیطان کی پھیلائی ہوئی باطل پرستی اور جہل و ضلالت کے اعتقادات و اعمال اور اوہام و خیالات کی شکل میں ہو تو مومن و مسلم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلحہ کے ذریعہ اپنی زبان اور قلم سے اس کے دفع و ابطال میں جہاد کرنا چاہیے۔ اور یہ باطنی دشمن کے مقابلے میں مدافعت ہے۔

یہی سبب ہے کہ متعدد احادیث میں حکم جہاد کی تشریح کی گئی۔

اور قلب ضمیر کی اُن تمام کوششوں کو جو نفس وشیطان کے مقابلے میں کی جائیں، جہاد سے تعبیر کیا گیا۔ مثلاً فرمایا:۔ جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم "اپنے ہوائے نفس کے مقابلہ میں بھی ویسا ہی جہاد کرو جیسا کہ ظاہر دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیاروں سے جہاد کرتے ہو۔"

اور فی الحقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں جس کو نسائی اور ابو داؤد نے حضرت انس رضؓ سے روائت کیا ہے زیادہ توضیح فرمائی ہے:۔

جاھدوا المشرکین	باطل پرستوں کے مقابلے
بانفسکم واموالکم	میں اپنی جان اپنے مال اور اپنی
والسنتکم	زبان کے ذریعے جہاد کرو۔

یعنی فرض جہاد کبھی قتال کی صورت میں، کبھی اعلان حق کے لیے مال لٹانے کی صورت میں اور کبھی زبان سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی شکل میں انجام پاتا ہے۔ اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے آیا۔ اور امر بالمعروف اور جہاد دونوں ایک ہی حکم کے دو نام ہیں۔ پس ہر وہ کوشش جو حق کے لیے ہو، ہر وہ صرفِ مال جو سچائی اور نیکی کی خاطر ہو، جسم وجان پر راہِ حق میں برداشت کی جائے

ہر وہ قید خانے کی زنجیر اور بیڑی جو اعلان حق کی وجہ سے پاؤں میں پڑے ہر وہ پھانسی کا تختہ جس پر جمال حق و قلم کے سچائی اور حق کی راہ میں کی جائے، جہاد فی سبیل اللہ ہے اور معنی جہاد میں داخل۔ تم اپنا روپیہ اس کے نام پر لٹاؤ۔ اپنی گردنوں سے خون کے سیلاب بہاؤ گردن کو طوق سے، ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے، پاؤں کو زنجیروں کے زیور سے حسن حق پرستی کا جلوہ گاہ بناؤ۔ زبان سے حق کا اعلان کرو اور قلم کو توہین و تذلیل شیاطین ضلالت کے لیے وقف کر دو۔ اس کو عزت دو جو حق کی عزت کرتا ہے، اور اس کو ذلیل کرو جو حق کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کے رشتوں کو اللہ کے رشتے پر ترجیح دو اور سب سے کٹ جاؤ تاکہ اس کے ہو سکو۔ حق کی خاطر دوست بنو، اور حق کی خاطر دشمن۔ نیکی کے آگے تمہاری گردن جھکی ہوئی لیکن بدی کے آگے بلند و مغرور رہو۔

اسلام یکسر عمل ہے

اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو اصول قابل عمل نہ ہو وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا ہی دل فریب ہو مگر انسانی مصائب کے لیے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا اس اصول پر عمل بھی

کر سکتی ہے یا نہیں؟

اسلام یکسر عمل ہے۔ مذہبی تاریخ میں جو انقلابات ذہن و اصول سے عمل کی جانب سے ہوئے ہیں، اور جن کی ابتدائی حالت مکمل نمونہ (گوتم بدھ) اور آخری صورت (مسیحی تحریک) تھی، اسلام اس کے انقلاب آخری کا نام ہے، جس کے بعد مذہب ایک خالص عملی قانون کی شکل میں مبدل ہو گیا۔ اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں جو اس کی عملی طاقت کو مضرت پہنچاتی تھیں۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف ایک اسلامی اصول ہے۔ تو یہ سچ ہے کہ وہ محض ایک ذہنی زندگی رکھنے والا اصول ہی نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے والا قانون ہے۔

تشبّہ باللہ و تخلّق باخلاق اللہ

اسلام انسان کے آگے ایک ارتقائے روحانی کی راہ کھولتا ہے، جو گو عبدیّت کے مقام تذلّل و تکسّر سے شروع ہوتی ہے۔ مگر اس کا انتہائی نقطۂ تشبہ باللہ۔ یعنی خدا کی صفات سے مشابہت پیدا کرنے کا مقام ہے۔ اور اسی طرف اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ تخلقوا باخلاق اللہ (خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا

کرو) پس ضرور تھا کہ جس ملّت کو خدا نے دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی تھی۔ وہ بھی اس صفت الٰہی سے متصف ہوتی۔ خدا اطاعت و عبادت سے یعنی (ہر ایسے کام سے جو قوائے فطریہ کا صحیح استعمال ہو) خوش ہوتا ہے۔ پس ایک انسان مومن کو بھی خوش ہونا چاہیے۔ خدا کفر و ضلالت اور بداعمالی سے (یعنی اُن تمام کاموں سے جو قوائے فطریہ کا اسراف و تبذیر ہوں) ناخوش ہوتا ہے۔ اور اپنی نارضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ پس مومن و مسلم کو بھی ناخوش ہونا چاہیے۔ اور اپنی نارضامندی کا اعلان کرنا چاہیے۔ خدا عادل ہے، اور رحم و محبّت، نرمی و آشتی میں بھی اسراف و تبذیر پسند نہیں کرتا۔ اگر بائبل کا ابن اللہ رحم محض کا مجسّمہ ہے، اور عدل کی ترازو کو ہاتھ میں لینا نہیں چاہتا، تو نہ لے۔ مگر چھوٹے بغیر تو اُسے بھی چارہ نہیں۔ اس نے تمام انسانی جرائم و معاصی کو شان محبّت کے جوش میں معاف کر دینا چاہا۔ لیکن پھر بھی بدی کو قابل عقوبت ثابت کرنے کے لیے ابن آدم کو نہ سہی، مگر اپنے عزیز بیٹے کو تو تین دن تک لعنت میں گرفتار رکھ کر خونی مجرموں کی طرح سُولی پر چڑھانا ہی پڑا۔

یہ ناگزیر ہے، دنیا کے لیے محبّت کی صورت موہنی ہو، مگر افسوس کہ سود مند نہیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوش نمائی کی بلندی کی جگہ

سختی و خشونت کی لکیریں ہیں۔ لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے۔ پس خدا نے اپنی ملت کو بھی اپنی صفات کی دعوت دی۔ اور اپنی شان عدل کی طرح اس کو بھی "امۃ وسطا" قرار دیا۔ تاکہ وہ اس کی زمین پر ایک عادلانہ خلافت ہو، اور اس کی طرح کسی جذبے میں نہ تو اسراف کرے (یعنی رحم کے موقعہ پر رحم کو اور سختی کے موقعہ پر سختی کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا) اور نہ تبذیری طریقہ اختیار کرے (یعنی رحم کی جگہ قہر اور قہر کی جگہ رحم)۔

مقامِ اطاعت کا حصول کیونکر متحقق ہو سکتا ہے؟

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ	اور جو لوگ ہر طرف سے باغی ہو کر صرف اللہ اور
وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ	اس کے رسول کے مطیع و منقاد ہو گئے تو بیشک وہ ان
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ	مقربان الٰہی کے ساتھی ہو جائینگے جنکو حق تعالیٰ نے
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ	اپنی نعمتوں کے نزول کیلئے دنیا میں چن لیا ہے اور جن
الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ	میں سب سے پہلی جماعت انبیائے کرام کی پھر صدیقوں
وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ	کی پھر شہداء اور پھر صالحین امت کی ہے یہ چار جماعتیں
اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا	انکی ساتھی ہونگی اور اس رفاقت سے بڑھ کر اور کونسی رفاقت ہو سکتی ہے

اس آیت میں چار مخصوص جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جن

لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان کے ساتھیوں میں محسوب ہوں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ "مقامِ اطاعت کا حصول کیوں کر متحقق ہو سکتا ہے" اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

یاد رہے کہ ہر اطاعت کے لیے ایک سرکشی، ہر وفاداری کے لیے ایک دشمنی اور ہر عاجزی کے لیے ایک غرور و تمرد لازمی ہے۔ آپ ایک آقا کے نوکر ہو نہیں سکتے، جب تک کہ اور تمام آقاؤں سے انکار نہ کر دیں۔ زید سے اگر آپ کو محبت ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام دشمنوں کے آپ دشمن ہو گئے۔ ایک چوکھٹ پر جب ہی سر جھک سکتا ہے جب اور تمام جھکانے والی چوکھٹوں پر سے مغرورانہ گذر جائے۔ جب آپ نے کہا کہ میں روشنی ہی کو پسند کرتا ہوں تو ضمناً اس کا بھی اقرار کر لیا کہ تاریکی سے متنفر ہوں۔ آپ ایک ہی جانب اپنا منہ کر نہیں سکتے جب تک اور ہر طرف سے منہ نہ پھیر لیں، اور ایک ہی سے اپنا رشتہ جوڑ نہیں سکتے جب تک ہر طرف سے رشتے کاٹ نہ لیں۔

پس خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کے سوا اور جتنی قوتیں اپنی اپنی اطاعت کی طرف بلاتی ہیں۔ ان سب سے باغی ہو جائے اور اس کے آگے جھکنے سے پہلے اور تمام جھکانے والوں کے آگے مغرور ہو جائے۔ جو لوگ اس کی اطاعت کے مدعی ہیں ان کو اطاعت

سے پہلے سرکشی کا، وفاداری سے پہلے بغاوت کا، اور دوستی سے پہلے دشمنی کا ثبوت دینا چاہیے۔ ان کو آزمائش میں پڑ کر ثابت کرنا چاہیے کہ خدا کی وفاداری کے لیے اُنہوں نے کن کن قوتوں سے بغاوت کی ہے۔ اور اس کی محبت کے پیچھے کس کس کو اپنا دشمن بنایا ہے۔ وہ حکومت الٰہی کے مقابلہ میں اپنا تخت تسلط بچھانے والی قوت شیطانی جو انسانوں کو خدا سے چھین کر اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہتی ہے۔ اور جس کے مظاہرے تمہارے اندر اور باہر دونوں جگہ موجود ہیں۔ مدعیان اطاعت الٰہی کے لیے دنیا میں اصلی اور پہلی آزمائش ہے۔ کوئی ہستی خدا کی مطیع ہو نہیں سکتی جب تک اس قوت اور اس قوت کے تمام مظاہرے سے باغی و متمرد نہ ہو جائے۔ سب سے بڑا قوت ابلیسی کا مظہر نفس انسانی اور قوائے بہیمیہ کی قوائے ملکوتیہ سے ایک دائمی جنگ ہے۔ پھر انسان سے باہر طرح طرح کی ضلالتوں اور باطل پرستیوں کے تخت بچھے ہوئے ہیں۔ اور خود انسانوں کے بے شمار غول ہیں جنہوں نے شیطان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اس طرح اس کی اطاعت میں اپنے تئیں فنا کر دیا ہے کہ ان کا وجود از سر تا پا پیکر شیطانی اور مجسمہ ابلیسی بن گیا ہے۔ ان میں سے ہر قوت شیطانی انسان کو اپنے آگے مرعوب دیکھنا چاہتی ہے کہیں دولت اور مال و جاہ دنیوی شیطان کا نشیمن ہے، کہیں غرور علم و فن کے اندر سے شیطان جھانک رہا ہے۔ کہیں مذہبی پیشواؤں کی جماعتیں

اس کا مرکب فساد بن گئی ہیں، اور کہیں جماعتی تسلط اور قوت نے اپنی دعوت ضلالت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ حکومتوں اور گورنمنٹوں کا قہر و استبداد بھی ایک بہت بڑا مظہر ابلیس ہے۔ اور ننگ و ناموس دنیوی اور محبت اہل و عیال کی زنجیروں کے اندر بھی اس کے تعبد و انقیاد کی کشمش مخفی ہے۔

پس مقام ومن یطع اللہ والرسول کے حاصل کرنے کے لیے اوّلین شرط یہ ہے کہ انسان ان تمام طاقتوں کی اطاعت سے یکسر باغی اور سرکش ہو جائے۔ اور ان تمام کی عظمت و جبروت کے اثر سے اپنے دل کو آزاد کر دے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں تک طلب صادق کی قوت اور توفیق الٰہی کی ہمت اس کا ساتھ دے ان تمام مظاہر شیطانیہ کے مقابلہ میں ایک مغرورانہ جہاد کا اعلان کر دے۔ اور تعبد الٰہی کی تلوار لے کر فاتحانہ اُٹھ کھڑا ہو۔ ضلالت اور گمراہی کا بُت کدہ جہاں دیکھے حق اور صداقت کی ضرب سے پاش پاش کر دے، دولت دنیا ہمیشہ سے شیطان کی سیر و سیاحت کا سب سے بڑا مرکز رہی ہے۔ ضلالت کی تاریکی نے چاندی اور سونے کی دیواروں کے اندر ہمیشہ گھر بنایا ہے۔ پس ہر اس غرور اور ادعا کو جو دولت اور عز و جاہ دنیوی سے پیدا ہو شیطان کا بُت یقین کرے اور خدا کی عزت کی خاطر جہاں تک ممکن ہو اسے ذلت سے ٹھکرا دے۔

اور حکومتوں کا استبداد، علماء سوء اور مذہبی پیشواؤں کے استیلاء، دنیوی رہنماؤں اور جماعتی حکمرانوں کا قہر و تسلّط، رسم و رواج اور سوسائٹی کے دباؤ کی بندش، یہ تمام چیزیں بھی شیطان ہی کے تخت کے سائے میں نشوو نما پانے والی ہیں، اور ان کی قوت بھی ما انزل اللہ بھا من سلطن میں داخل۔ پس خدا کی محبت کے لیے ان سب کا دشمن ہو جائے۔ اور اس کے نام کی عزت کو بلند کرنے کے لیے ان سب کو ذلیل و رسوا کرے۔ اپنی زبان کو، اپنے دماغ کو، اور اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دے، تا کہ جو طاغوت الٰہی سے سرکش انسان حق و صداقت کی عزّت کو دنیا میں تاراج کر رہے ہیں، ان کی عزّت باطلہ کے تاراج و غارت کرنے کا وہ ذریعہ بنے۔ اس کی زبان حق کی زبان ہو اور قدم حق کے قدم ہوں۔ زبان سے ان کی تحقیر و تذلیل کرے اور پاؤں سے ان کے مغرور سروں کو کچلے۔ جب اس منزل امتحان سے وہ گذر جائے گا، اس وقت اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہو گا۔ کیونکہ جو اللہ کا مطیع ہو، ضرور ہے کہ شیطان سے باغی ہو۔